لکھنؤ

فہرست مضامین

مروہ ایجوکیشنل فاؤنڈیشن، لکھنؤ

Monthly
SADA-E-MARWAH
Lucknow

Vol. 3- Issue-12
April 2019
Title Code : UPURD05247

Dr. Saeed al Azami al Nadwi
Chief Editor: "Albaas-el-Islami"
Post Box 93, Nadwatul Ulama
Lucknow. 226007, U.P. (India)

د / سعيد الأعظمي الندوي
رئيس تحرير : مجلة " البعث الإسلامي "
ص. ب. ٩٣ ، ندوة العلماء ، لكناؤ
أترابراديش (الهند) ٢٢٦٠٠٧

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام علیٰ سید المرسلین وإمام الانبیاء والمتقین محمدوعلیٰ آله وصحبه أجمعین۔

جامعہ ام الخیر نسواں، (زیر انتظام مروہ ایجوکیشنل فاؤنڈیشن رجسٹرڈ) لکھنؤ کے مضافات میں قائم لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کیلئے سرگرم ادارہ ہے، راقم الحروف اس کے تعلیمی وثقافتی پروگراموں میں شریک ہوتا رہا ہے، مجھے یہاں کا تعلیمی نظام بہت بہتر محسوس ہوا، ادارہ کے منتظمین پورے اخلاص اور جذبہ قربانی کے ساتھ پوری کوشش کررہے ہیں اور اپنی محنت سے چند سالوں میں اچھی پیش رفت کی ہے، یہ حضرات بچیوں کی تعلیم کے علاوہ مفت طبی ورفاہی میدانوں میں سرگرم ہیں، اس ادارے کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں یتیم بچیوں کی تعلیم وتربیت اور کفالت کا بھی انتظام ہے، امسال ۵۴۹/طالبات زیر تعلیم ہیں، جن میں ۴۳۹/کی کفالت جامعہ کے ذمہ ہے، واضح رہے کہ ان بچیوں میں ۱۸۲/بچیاں یتیم ہیں، ۲۳/معلمات ہیں اور ۱۹/عملہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ادارہ کی ذمہ دار قابل اعتماد ہیں، طالبات کی کثرت نیز دیگر انتظامات کیلئے ادارہ کو مالی تعاون کی شدید ضرورت ہے، میں تمام اہل خیر حضرات سے اس جامعہ کیلئے تعاون کی اپیل کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا اور آخرت میں اجر عظیم سے نوازے گا۔

اللہ کا فرمان ہے: اللہ کے راستے میں تم جو کچھ بھی خرچ کروگے اس کا پورا بدلہ تم کو دیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہوگی۔

۲۸/جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ
۶/مارچ ۲۰۱۹ء

راقم
سعید الرحمن الاعظمی
ایڈیٹر مجلہ "البعث الاسلامی"
ندوۃ العلماء لکھنؤ

عنوان المنزل : مكتبة الفردوس ، مكارم ناغر (بروليا) لكناؤ (الهند) mamndnu@gmail.com 0091-522-2741272

Marwah Educational Foundation (Regd.)
Sitara Colony, Post Kakori, Andhe ki Chowki
Hardoi Road, Lucknow-226 107 U.P.

مروہ ایجوکیشنل فاؤنڈیشن وجامعہ ام الخیر نسواں لکھنؤ کا علمی، دعوتی واصلاحی ترجمان

ماہنامہ صدائے مروہ لکھنؤ

جلد: ۳ شمارہ: ۱۲ اپریل ۲۰۱۹ء

مروہ ایجوکیشنل فاؤنڈیشن

جامعہ ام الخیر نسواں، ستارہ کالونی، پوسٹ کاکوری، اندھے کی چوکی، ہردوئی روڈ لکھنؤ

Email : msultannadwi@gmail.com

فہرستِ مضامین

ہمدردی وغمگساری کا مہینہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ماہ کو غم گساری کا مہینہ فرمایا یعنی جیسے یہ خدا کو راضی کرنے اور اس کے سامنے جھکنے کا مہینہ ہے، اسی طرح یہ خدا کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک اور بہتر برتاؤ کا مہینہ بھی ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اس ماہ میں تیز ہوا سے بھی بڑھ جاتی تھی، بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس ماہ میں زکوۃ ادا کرنے کا اہتمام فرماتے تھے، اور آج کل بھی لوگ خاص طور اسی مہینہ میں زکوۃ ادا کیا کرتے ہیں، لیکن جیسے رمضان میں فرائض کے ساتھ نوافل کا اہتمام کیا جاتا ہے، اسی طرح زکوۃ کے ساتھ عمومی انفاق پر بھی توجہ ہونی چاہئے، زکوۃ کے علاوہ بھی بندگان خدا کے ساتھ ہمدردی وغم گساری کا معاملہ کرنا اور ان کی خبر گیری رکھنا اس عظیم الشان مہینہ میں اللہ کو نہایت پسندیدہ ہے، اور روزہ کا بنیادی اور اہم تقاضہ ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ادا ریہ

رشتہ داروں اور پڑوسیوں کی خبر گیری کا مہینہ!!

منور سلطان ندوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک کو صبر اور غم گساری کا مہینہ فرمایا ہے: **هو شهر الصبر و الصبر ثوابه الجنة و شهر المواساة** (شعب الایمان، بیہقی، ج۵، ص: ۳۲۲) یہ صبر کا مہینہ کا ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے، اور یہ غم گساری کا مہینہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد دراصل مسلم معاشرہ کو اس مہینہ میں انجام پانے اعمال میں خاص طور پر مذکورہ دونوں عمل صبر اور غمخواری کی طرف خصوصیت سے متوجہ کرتا ہے۔

صبر کے معنی برداشت کرنے کے ہیں، اسی طرح اس کا معنی حق پر جمنا اور ثابت قدم رہنا بھی ہے، رمضان میں بھوک اور پیاس کی حالت میں غصہ آنا فطری امر ہے، ایسے میں غصہ کو برداشت کرنا اور اپنی زبان اور دوسرے اعضاء کو گناہ سے بچانا ایک مشکل کام ہے، اسی طرح شریعت کے حدود پر جمنا انسان کے لئے سب سے بڑا مجاہدہ ہے، اس لئے اس کا انجام بھی بتادیا گیا کہ جو صبر کرے گا اسے بدلہ میں جنت ملے گی۔

اس ماہ مبارک میں جس دوسرے کام کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلائی گئی ہے وہ غم گساری ہے، حدیث کے الفاظ 'مواساۃ' بہت بامعنی ہیں، یہ بظاہر آسان مگر حقیقت میں مشکل کام ہے، اسی لئے اس عمل کی جانب توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہونا، دوسروں کے کام آنا، اور بہتر سلوک کرنا ان باتوں کی بڑی فضیلت آئی ہے، عام دنوں میں بھی ان اعمال کی فضیلت آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: **من فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة** (صحیح البخاری، کتاب المظالم، حدیث نمبر: ۲۳۱۰) جو کسی مسلمان کو کسی تکلیف سے نکالے گا اللہ تعالی اس کو قیامت کی تکالیف سے نجات عطا فرمائیں گے، اس مفہوم کی بہت سی احادیث موجود ہیں جن میں مصیبت کی گھڑی میں کسی مسلمان کے ساتھ کھڑا ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اس حدیث کو سامنے رکھ کر مسلم معاشرہ پر غور کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ رمضان المبارک میں مسلم معاشرہ میں جہاں عبادتوں میں اضافہ ہوجاتا ہے، مساجد نمازیوں سے آباد ہوجاتی ہیں، زکوۃ وخیرات کا عمل بھی بڑھ جاتا ہے، رمضان میں انجام پانے والے اعمال کا اجر بڑھادئے جانے کی خوشخبری کے تناظر میں بہت سے مسلمان صرف رمضان میں ہی اپنے مال کی زکوۃ نکالتے ہیں، لیکن ان سب کے ساتھ معاشرہ میں پریشان حال لوگوں کی خبر گیری کی جانب خاطر خواہ توجہ نہیں دی جاتی ہے، جبکہ 'مواساۃ' یعنی غم گساری کا مطلب یہی ہے کہ مسائل ومشکلات سے دوچار انسانوں اور بطور خاص مسلمانوں کو ان کے مسائل سے نجات دینے کی فکر کی جائے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں بہت سے افراد ایسے ہوتے ہیں جو زندگی کے مسائل سے پریشان ہوتے ہیں، اگر انہیں مناسب رہنمائی مل جائے، کسی کا مخلصانہ مشورہ مل جائے، کوئی ان کی خبری گیری کرلے، تو نہ صرف ان کا غم ہکا ہوجائے گا بلکہ غم کو انگیز کرنا اور اس مصیبت سے نکلنا بھی آسان ہوجائے گا۔

غمخواری کے لئے مالی مدد دینا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ ان کو تسلی دینا، دلداری کرنا، اگر وہ مالی مسائل سے دوچار ہو تو حسب توفیق مالی اعانت کرنا، بیماروں کی عیادت کرنا، سماج کے کمزور افراد جیسے بوڑھوں، غریبوں، یتیموں، بیواؤں کی خبر گیری کرنا یہ تمام باتیں غمخواری میں شامل ہیں، آج کی مصروف دنیا میں ہر فرد اپنی خول میں بند ہوکر رہ گیا ہے، محلہ اور رشتہ دار تو دور گھر سے متصل پڑوسیوں سے بھی واقفیت نہیں ہوتی، مسلم معاشرہ کی یہ صورتحال انتہائی تشویشناک ہے، اس طرز کو بدلنے کی ضرورت ہے، ایک مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے اور اپنے افراد خاندان کے ساتھ اپنے رشتہ داروں کی بھی فکر کرے، آس پاس کے پڑوسیوں کے مسائل کی خبر رکھے، دکھ درد کے لمحات میں ان کے ساتھ کھڑا ہو، اگر وہ کسی پریشانی میں ہیں تو ان کی پریشانی کو دور کرنے میں ہاتھ بٹائے، اپنی ذات میں اتنا مگن ہوجانا کہ رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے آدمی غافل ہوجائے ایسا آدمی اچھا انسان بھی نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے ہمیشہ اور بطور خاص اس مہینہ میں رشتہ داروں اور پڑوسیوں کی فکر کیجئے، ان کا خیال رکھئے، مسائل میں ان کا ہاتھ بٹائیے، اور خوشی کی تقریبات کی طرح مصائب ومشکلات میں بھی ان کے قدم بہ قدم کھڑے رہیے، یہی اس مہینہ کا پیغام ہے۔

عبادت کو تجارت نہ بنائیں!

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
(جنرل سکریڑی اسلامک فقہ اکیڈمی، نئی دہلی)

ایک انسان کی اپنے خالق و مالک سے جو نسبت ہے، اس میں سب سے اہم نسبت عبدیت اور بندگی کی ہے، انسان عبد ہے اور اللہ تعالیٰ معبود ہیں، انسان بندہ ہے اور اللہ کی ذات بندگی کی مستحق ہے، انسان غلام ہے اور اللہ اس کے آقا ہیں، یہ غلامی کی نسبت انسان کے لئے تحقیر نہیں ہے؛ بلکہ اِس میں اُس کی توقیر اور اعزاز واکرام ہے، اسی لئے واقعہ معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر اپنے بندے کے لفظ سے کیا ہے: **سبحان الذی اسری** (بنی اسرائیل: ۱) جیسے بیٹے کو اس سے زیادہ اور کوئی خطاب محبوب نہیں ہوسکتا کہ اس کا باپ اس کو بیٹا کہہ کر مخاطب کرے اسی طرح کسی بندے کے لئے اس سے بڑھ کر اعزاز نہیں ہوسکتا کہ خود کائنات کا خالق و مالک ''بندہ'' کہہ کر اپنے آپ سے اس کی نسبت کو ظاہر کرے۔

انسان اپنی بندگی کا اپنے عمل کے ذریعہ اقرار کرے، اسی کو ''عبادت'' کہتے ہیں اور اللہ نے انسان وجنات کی یہ بستی اس لئے بسائی ہے کہ یہ سب خدا کی عبادت کریں: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (الذاریات: ۵۶) -- ہر نبی نے اپنی تعلیمات میں انسانیت کو اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی ہے اور اس کے طریقے بتائے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی شریعت نے عبدیت کو اس کے اوج کمال پر پہنچا دیا، عبادت کی مقدار بھی بڑھائی گئی اور عبادت کی کیفیت میں بھی اضافہ کیا گیا، نیز جس تفصیل سے عبادت کا طریقہ وسلیقہ اور اس کے آداب واحکام شریعت محمدی میں بتائے گئے، کسی دوسرے مذہب میں اس کی مثال نہیں مل سکتی، ہر عبادت بندگی اور نیاز مندی کا مظہر، جھکاؤ اور بچھاؤ کی کیفیت سے معمور،

اللہ سے مانگنے اور ہاتھ پھیلانے کی کوشش اور انسانی زندگی کے لئے درسِ عبرت سے معمور!

عبادت کے اصل معنی اللہ کے سامنے اپنی ذلت اور کمتری کے اظہار کے ساتھ بے حد جھکاؤ اور آخری درجہ تواضع اختیار کرنے کے ہیں؛ اس لئے عام طور پر عربی لغت کے ماہرین نے اس کا ترجمہ خضوع اور ذلّ سے کیا ہے (مفردات القرآن: ۳۱۸، صحاح للجوہری: ۲/ ۵۰۲، لسان العرب: ۳/ ۲۷۰۴) ایک بڑے صاحب علم علامہ مناوی نے لکھا ہے کہ عبادت ایسے افعال کا نام ہے کہ جس سے آخری درجہ معبود کے سامنے اپنی کمتری، عاجزی، جھکاؤ اور نیاز مندی کا اظہار ہو کہ اس عمل سے بڑھ کر کسی اور عمل سے اس جذبہ کا اظہار ممکن نہ ہو (التوقیف علی مہمات التعریف للمناوی: ص ۲۳۴) عبادت میں جہاں اللہ کے سامنے عجز کا اظہار ضروری ہے، وہیں اللہ سے حد درجہ محبت اور دل میں اللہ کی غیر معمولی چاہت کا احساس بھی ضروری ہے؛ اسی لئے علامہ ابن القیم فرماتے ہیں کہ عبادت ایسے عمل کا نام ہے، جس میں آخری درجہ کی محبت بھی ہو اور آخری درجہ کا جھکاؤ بھی: **''العبادة تجمع اصلين: غاية الحبّ وغاية الذل والخضوع''** (مدارج السالکین: ۸۶-۸۵)

لہٰذا وہ اعمال عبادت میں شامل ہیں جو خالصۃً اللہ کے لئے ہی کئے جاتے ہیں، جس عمل کو کسی بندے کے لئے نہیں کیا جاسکتا، جیسے: نماز، روزہ، زکاۃ، حج، قربانی، سجدہ، تلاوت، دعاء، نذر وغیرہ، جو افعال اللہ کے لئے بھی کئے جاسکتے ہیں اور انسانوں کے لئے بھی، اگر ان کو بہتر نیت سے کیا جائے، اللہ کی رضا اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع مقصود ہو تو انشاء اللہ وہ بھی اجر وثواب کا باعث ہوگا؛ لیکن وہ اصل میں طاعت ہے، حقیقی معنوں میں وہ عبادت نہیں ہے، عربی زبان کے ایک ماہر علامہ ابو ہلال عسکری نے لکھا ہے کہ عبادت اور طاعت کے درمیان بنیادی فرق یہی ہے کہ عبادت صرف اللہ ہی کی کی جاسکتی ہے؛ لیکن طاعت اللہ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ (الفروق فی اللغۃ: ۱۸۲)

عبادت کا ایک بنیادی حکم یہ ہے کہ وہ اجر کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ اجرت کے لئے، اس کا بدلہ آخرت ہی میں دیا جاسکتا ہے، دنیا کے بدلے کے لئے اس عمل کو نہیں کیا جاسکتا، انبیاء

کرام اپنی خاص حیثیت کے اعتبار سے ہر کام اللہ کے لئے کرتے تھے اور اللہ کے حکم سے ہی کرتے تھے؛ اسی لئے قرآن نے مختلف انبیاء کی زبان سے کہلایا: اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰه (ہود:۲۹) میرا اجر صرف اللہ ہی پر ہے، جب کوئی کام دنیا میں بدلے کے لئے کیا جائے تو پھر وہ تجارت بن جاتا ہے، اور عبادت وتجارت کے مقاصد بالکل الگ ہیں؛ اسی لئے عبادت کے لئے مخصوص جگہ پر تجارت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، مسجدیں اللہ کا گھر ہیں اور اللہ کی عبادت کے لئے ہی بنائی گئی ہیں؛ چنانچہ مسجد میں خرید وفروخت اور کاروباری گفتگو سے منع کیا گیا ہے؛ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا کہ کسی کی کوئی چیز گم ہوئی ہو تو وہ مسجد میں اس کا اعلان کرے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس طرح کا اعلان مسجد میں کرے تو کہہ دو کہ تمہاری چیز نہ ملے۔

اسی لئے فقہاء کا عمومی نقطہ نظر یہ ہے کہ جو افعال مسلمانوں کے لئے مخصوص ہیں، جیسے: نماز، روزہ، حج، تلاوت قرآن، جہاد، ان پر اجرت لینا جائز نہیں؛ کیوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے جو آخری وعدہ لیا، وہ یہ کہ اگر میں مؤذن مقرر کیا جاؤں تو اذان پر اجرت نہیں لوں (ترمذی بہ تحقیق احمد محمد شاکر ۱/۱۰ ۴۳)، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اہل صفہ میں سے کچھ لوگوں کو قرآن پڑھنا اور لکھنا سکھایا، مجھے پڑھنے والوں میں سے ایک نے ایک کمان تحفہ میں دی، میں نے سوچا کہ یہ خاص مال تو ہے نہیں، میں اسے جہاد میں استعمال کروں گا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہیں یہ بات پسند آتی ہو کہ اللہ تمہیں آگ کی کمان پہنائے تب قبول کرلو۔ (ابوداؤد مع عون المعبود: ۳/۲۷۶) صحابی رسول حضرت عبدالرحمن بن بشر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن مجید پڑھو، مگر اس میں غلو نہ کرو اور نہ اس کو کھانے اور دولت میں اضافے کا ذریعہ بناؤ ”ولا تا کلوا بہ ولا تستکثروا بہ“ (فیض القدیر: ۲/۶۴ بہ حوالہ مسند احمد)

یہ اور بات ہے کہ عبادت سے متعلق بعض افعال ایسے ہیں، جن میں عمل کے ساتھ ساتھ

وقت کی بھی ضرورت ہے، جیسے نماز کہیں بھی پڑھی جاسکتی ہے، اتفاق سے اگر کسی نے کہیں نماز کی امامت کردی اور ایک جماعت نے اس کے پیچھے نماز ادا کرلی تو اس میں کچھ زیادہ وقت کی ضرورت نہیں؛ لیکن اگر کسی کو خاص مسجد میں امام مقرر کیا جائے تو وہ اس وقت کا پابند ہوجاتا ہے؛ بلکہ بعض اوقات پانچ وقت کی امامت میں انسان کا پورا وقت گھر جاتا ہے، اسی طرح ایک صورت تو یہ ہے کہ اتفاقاً کوئی آئے اور آپ کے پاس قرآن کی کوئی آیت پڑھ لے، یا اپنے پڑوسی کو چند آیات پڑھادیں اور قرآن کی تصحیح کردیں تو اس میں انسان کا وقت اس طرح گھر نہیں جاتا کہ وہ کسبِ معاش کا کوئی اور ذریعہ اختیار نہ کرسکے؛ اس لئے ایسے اعمال پر اجرت لینا جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص مستقل طور پر ایک مدرس کی حیثیت سے قرآن اور اسلامی علوم کی تعلیم دے، اور مقررہ وقت اس میں لگایا کرے، جس کی پابندی اس پر لازم ہو تو پھر اس کا وقت اس عمل کی وجہ سے مشغول ہوجاتا ہے، اس لئے ایسی صورت میں علماء اہل سنت میں سے امام مالکؒ وامام شافعیؒ نے اجرت لینے کی اجازت دی ہے اور جب حکومتوں کی طرف سے ائمہ اور معلّمین کا انتظام باقی نہ رہا اور صورتِ حال یہ ہوگئی کہ ہر وقت امامت کی صلاحیت کے حامل ائمہ کا ملنا دشوار ہوگیا، مسلمان بچے اور بڑے قرآن کی تعلیم سے محروم ہونے لگے تو فقہاء احناف اور حنابلہ میں سے بعد کے لوگوں نے ان کاموں پر اجرت لینے کی اجازت دے دی؛ کیوں کہ یہ کام کی اجرت نہیں ہے، وقت کی اجرت ہے، اور وقت کی اجرت لینا جائز ہے۔

اسی طرح فقہاء نے حج پر اجرت لینے یا جہاد پر اجرت لینے کو منع کیا ہے؛ کیوں کہ یہ سب عبادت ہے اور عبادت خالصۃً لوجہ اللہ ہونی چاہیے، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہجرت بھی اہم عبادت تھی اور آپ ﷺ نے صاف اعلان کردیا کہ جو اللہ اور رسول کے لئے ہجرت کرے گا، اس کا یہ عمل باعث اجر بنے گا اور جو کسی اور مقصد کے لئے ترکِ وطن کرے گا، وہ ہجرت کے ثواب سے محروم رہے گا؛ کیوں کہ اس کا یہ وطن چھوڑنا اللہ اور رسول کے لئے نہیں ہے، مشہور محدث امام بخاریؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب بخاری شریف کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے، غرض کہ عبادت پر عبادت کا رنگ باقی رہنا چاہیے، خود عبادت کرنے والوں کا بھی یہی

رویہ ہونا چاہیے اور دوسرے مسلمانوں کا بھی۔

بدقسمتی کی بات ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں ایک خاص رجحان عبادتوں سے تجارتی فوائد اٹھانے کا بنتا جا رہا ہے، ایصال ثواب کا درست ہونا حدیث سے ثابت ہے اور سوائے بعض اہل علم کے علماء اہل سنت کا اتفاق ہے کہ تلاوتِ قرآن کے ذریعہ بھی ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے، مگر اس پر اجرت کا لینا جائز نہیں، مشہور حنفی عالم علامہ شامیؒ نے خوب لکھا ہے کہ اگر تلاوتِ قرآن اجرت کے عوض ہو تو اس عمل میں اخلاص باقی نہیں رہا اور جو عمل اخلاص سے خالی ہو وہ کار ثواب نہیں ہوسکتا، تو جب یہ عمل خود لائق ثواب نہیں رہا تو دوسروں کو اس کا ثواب پہنچایا کس طرح جاسکتا ہے؟ اس لئے ایصال ثواب کے لئے تلاوتِ قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں؛ مگر صورت حال یہ ہے کہ آج کل مسلم معاشرہ میں اس کی اجرت متعین کی جاتی ہے اور کہیں کہیں تو اس کے لئے گروپ بنے ہوئے ہیں اور وہ باضابطہ بھاؤ تاؤ کرتے ہیں، یہ واضح طور پر عبادت کو تجارت کی شکل دینا ہے۔

تراویح کی نماز میں قرآن مجید کا ختم کرنا واجب نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ سنت ہے، اب بحمداللہ حفاظ کرام کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے کہ بڑی آسانی سے شہر سے گاؤں تک حفاظ میسر آجاتے ہیں، اگر تراویح پڑھانے والے کی طرف سے اجرت کا مطالبہ نہ ہو؛ بلکہ انکار ہو اور اس کی نیت ایسی خالص ہو کر اگر اس کو کوئی اجرت نہیں ملے، تب بھی وہ نماز پڑھائے گا، اس کے باوجود لوگ اپنی طرف سے ایک حافظ قرآن کی خدمت کی نیت سے ہدیہ پیش کردیں تو پیش کرنے والوں کے لے سعادت اور اس حافظ کا قبول کرنا جائز ہے؛ لیکن حافظ کی طرف سے اس کا مطالبہ کرنا اور دونوں فریقوں کا مل کر اجرتِ تراویح طے کرنا یہ یقیناً عبادت کو تجارت کے درجے میں لے آنا ہے اور قرآن مجید کے احترام کے مغائر ہے۔

رمضان المبارک میں عام طور پر فروٹ کا استعمال بڑھ جاتا ہے اور فروٹ کے تاجروں میں بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے، ان کا روزہ داروں کے ہاتھ فروٹ بیچنا اور اس پر مناسب منافع لینا جائز ہے؛ لیکن عملی صورتِ حال یہ ہے کہ اس میں روزہ داروں کا استحصال کیا جاتا ہے،

مثلاً ایک تربوز اگر ۲۵ رشعبان کو ۳۰ روپئے کا ہو تو پہلی رمضان سے اس کی قیمت ۱۰۰ ر روپئے کردی جاتی ہے اور عید ختم ہوتے ہی پچھلی قیمت بحال ہوجاتی ہے، یہی حال بقرعید کا ہے، جانوروں کے مسلمان تاجر عیدالاضحیٰ کے کچھ پہلے سے قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ کردیتے ہیں، قصاب حضرات قربانی کے دنوں میں دوگنا اور تین گنا پیسہ وصول کرتے ہیں، ۱۲ رذی الحجہ کے بعد پھر قیمت اور اجرت معمول پر آجاتی ہے، بعض حضرات نے تو اجر و ثواب کے اس موسم کو تجارت اور انویسٹمنٹ کا سنہرا موقع بنالیا ہے دو ہفتہ کے لئے سرمایہ لگاتے ہیں اور کئی گنا نفع حاصل کرتے ہیں۔

حج کے معاملے میں مسلم ٹورس اور ٹراویلس کا رویہ سب سے زیادہ قابل توجہ ہے، انہیں اس نیت سے کام کرنا چاہیے تھا کہ حاجیوں کو راحت پہنچائیں اور تھوڑا بہت نفع ان کو مل جائے؛ لیکن صورت حال یہ ہے کہ اولاً تو حاجیوں سے ایسے وعدے کئے جاتے ہیں، جو حرمین شریفین پہنچنے کے بعد دن کا خواب معلوم ہوتا ہے، جو سہولتیں نہیں پہنچا سکتے، ان کا اعلان کرتے ہیں، خود حجاج عبادت میں مشقت اٹھانے اور اللہ کا مہمان ہونے کے جذبہ کے بجائے ٹورس کے مہمان ہونے کا احساس پیدا ہوجاتا ہے، اور وہ سہولت پسندی کے جذبہ کے ساتھ پہنچتے ہیں، جب وہاں شکایتیں پیدا ہوتی ہیں تو لے جانے والوں کا رویہ نہایت تیز اور بہت کڑوا ہوتا ہے، یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے؛ تاکہ سبز باغ دکھا کر عازمین سے زیادہ سے زیادہ پیسے وصول کئے جائیں۔

افسوس بالائے افسوس یہ ہے کہ اب حج میں رشوت کا بھی سلسلہ شروع ہوگیا ہے، سعودی حکومت حج وعمرہ کے ویزے فروخت نہیں کرتی ہے؛ لیکن نہ معلوم کہاں سے اس میں کرپشن داخل ہوگیا ہے، لوگ رشوت دے کر حج کے ویزے خریدتے ہیں، جو قطعاً ناجائز ہے، اسی طرح بعض ٹورس ان ویزوں کو فروخت کرتے ہیں، جو انہیں الاٹ ہوا ہے؛ حالاں کہ یہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔

ان سب کی بنیاد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ایک طبقہ میں مال ومتاع کی حرص اور مادیت

اس قدر پیدا ہوگئی ہے کہ وہ ہر کام میں اور ہر قیمت پر زیادہ سے زیادہ پیسے حاصل کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے عبادتوں کے انجام دینے اور اس کے وسائل فراہم کرنے میں اجر وثواب کے جذبہ کو بالکل پسِ پشت ڈال دیا ہے اور ایسے مقدس کاموں کو بھی خالصۃً تجارتی مقصد کے تحت انجام دیتے ہیں، نیز لوگوں کے سامنے اپنی تصویر کچھ اس طرح کی پیش کرتے ہیں کہ گویا وہ دین کے خدمت گذار اور اپنے مسلمان بھائیوں کے پکے بہی خواہ ہیں، اس سوچ کو بدلنے کی ضرورت ہے، ضرورت تو یہ تھی کہ ہم اپنی تجارت کو عبادت بنا لیتے، یعنی اس میں اللہ کی رضا کا جذبہ شامل رکھتے، کم نفع لیتے، لوگوں کو سہولت بہم پہنچاتے، کچھ اجرت حاصل کرتے اور کچھ اجر کے امیدوار رہتے، نہ یہ کہ ہم عبادت کو تجارت کا رنگ دیدیں اور حصولِ اجر وثواب کے مواقع کو کسبِ معاد کے بجائے خالص کسب معاش کا ذریعہ بنالیں۔ وباللہ التوفیق۔

کیا روزہ کا مقصد صرف پیٹ کو بھوکا رکھنا ہے!!

آہ! میں ان لوگوں کو جانتا ہوں جو ایک طرف تو نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں۔ دوسری طرف لوگوں کا مال کھاتے، بندوں کے حقوق غصب کرتے، ان کو دکھ اور تکلیف پہنچاتے، طرح طرح کے مکروفریب کو کام میں لاتے، اور جبکہ ان کے جسم کا پیٹ بھوکا ہوتا ہے تو اپنے دل کے شکم کو گناہوں کی کثافت سے آسودہ اور سیر رکھتے ہیں۔

کیا یہی وہ روزہ دار نہیں جن کی نسبت فرمایا کہ: کم من صائم لیس لہ من صومہ اِلا الجوع والعطش (رواہ النسائی وابن ماجہ) ''کتنے ہی روزہ دار ہیں جنہیں ان کے روزے سے سوا بھوک اور پیاس کے کچھ نہیں ملتا'' وہ راتوں کو تراویح میں قرآن سنتے ہیں اور صبح کو اس کی منزلیں ختم کرتے ہیں، لیکن اس کی نہ تو ہدایتیں ان کے سامعہ سے آگے جاتی ہیں اور نہ اس کی صدائیں حلق سے نیچے اترتی ہیں: وربّ قائم لیس لہ من قیامہ اِلا السہر (رواہ ابن ماجہ) ''اور کتنے راتوں کو ذکر وتلاوت کا قیام کرنے والے ہیں کہ انہیں اس سے سوائے شب بیداری کے اور کچھ فائدہ نہیں''

مولانا ابوالکلام آزادؒ

مدارس کے فارغین۔۔۔۔ چند قابل توجہ پہلو

مولانا امین الدین شجاع الدینؒ

معاشرہ میں جو بھی دین داری ہے وہ مدارس کی خدمات کا ثمرہ ہے، نیز تحریکات اسلامی، فکری وعملی غذا بھی ان ہی کی مرہون منت ہے۔ لیکن ایک طرف جہاں وہ اغیار کے نشانہ پر ہیں وہیں ان کے داخلی مسائل بھی ہیں جس پر قابو پانا ضروری ہے۔ مدرسہ کے فارغ التحصیل طالب علم اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ فراغت کے بعد انہیں کیا کرنا چاہئے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ طلباء جیسے جیسے اپنے سندی سال سے قریب ہوتے جاتے ہیں، فکر معاش انہیں متفکر وپریشان اور بے کل کردیتی ہے، اس کے حل کے لئے مدارس میں رہتے ہوئے جو بھی ان کے بس میں ہوتا ہے، وہ کرتے ہیں۔ بعض رازداری کے ساتھ یونیورسٹی، الہ آباد بورڈ، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی یا دوسرے اداروں سے مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ اپنا دوسرا تعلیمی سلسلہ بھی استوار کرلیتے ہیں جب کہ مدارس کا ضابطہ اس کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اپنے معاش اور کیریئر کی فکر میں سرگرداں اور حیران وپریشان بعض طلباء مدارس کے سارے خطرات مول لے کر عصری اداروں کے تعلیمی سلسلہ کو کسی نہ کسی طرح جاری رکھتے ہیں۔ مسئلہ کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے ذیل میں کچھ تجاویز پیش کی جارہی ہیں جس سے مسائل کو حل کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

(۱) معمول کی زندگی یا روزمرہ کی عملی زندگی سے لے کر دعوت دین کے کام تک اکثر فارغین مدارس کے سامنے ایک بہت بڑا مسئلہ مراسلاتی خلاء کا ہے۔ یعنی اگر ایک فارغ التحصیل علاقائی زبان سے ناواقف ہوتا ہے تو اپنے علاقہ میں پہنچ کر خصوصاً دعوتی میدان میں اس کے سامنے یہ مسئلہ خصوصیت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ ایک مرتبہ ہریانہ میں پیام انسانیت کے ایک جلسہ کے موقع پر جس میں شنکراچاریہ بھی موجود تھے، جس چیز کی سب سے زیادہ کمی محسوس ہوئی وہ تھی ہندی زبان سے عدم واقفیت، عوام کا ایک ہجوم تھا صحافیوں کی ایک بڑی تعداد بھی

جلسہ گاہ میں موجود تھی، مدارس کی چہار دیواری میں زندگی بسر کرنے والے ہم لوگ اردو زبان بولنے کے عادی ہیں لیکن وہاں نوعیت بالکل مختلف تھی، اس جلسے میں اردو زبان میں تقریر کرنا ایک خانہ پری تو ہوسکتی تھی لیکن اصل مقصد یعنی سامعین کو فکری غذا فراہم کرنا اور انسانیت کا پیغام سنانے کا کام زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے ممکن نہیں تھا، چنانچہ بہت سارے صحافیوں نے جلسے کے اختتام کے بعد مختلف مقررین کی تقریروں کا خلاصہ معلوم کیا تاکہ وہ اپنے اخبارات کو مواد فراہم کرسکیں۔ ان میں اکثر صحافی انگریزی سے کما حقہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ اس موقع پر ہندی زبان کی اور مختلف علاقائی زبانوں کی اہمیت وافادیت اوران سے واقفیت کے ناگزیر ہونے کا شدت سے احساس ہوا۔ اس واقعہ کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے طلبہ مدارس جن کا تعلق جنوبی وشمالی ہندوستان دونوں سے ہے، وہ کچھ ایسی کشاکش اور افسردگی کا شکار ہوجاتے ہیں کہ انہیں اپنے حالات، وقت اور دین کے تقاضوں کے مطابق منصوبہ بندی کی نوبت نہیں آتی یہی طلبہ اگر خدمت دین کو اپنا مقصد حیات بنالیں تو ایسی منصوبہ بندی سامنے آئے گی جو وقت اور دین کے تقاضوں کو پورا کرنے اور معاشی اعتبار سے بھی خود کفیل بنانے والی ہوگی۔ اصل غلطی یا چوک ہمارے فارغین مدارس سے جو ہورہی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی منزل خدمت دین کو نہیں بناتے اگر خدمت دین ہی کو اپنا ہدف اور نشانہ بنایا جائے اور اسی لحاظ سے منصوبہ بندی کی جائے تو ان طلبہ کی نافعیت کو دنیا تسلیم کرے گی اور خدمت دین کے ساتھ انشاء اللہ ان پر معاش کی باوقار راہیں بھی کھلیں گی۔

ایک ایسا جامع خاکہ تیار کیا جائے جو معاش اور معاد دونوں پر محیط ہو اس میں ایک چیز تو علاقائی زبان پر عبور حاصل کرنا اور اس کے ادب لطیف کا ذوق پیدا کرنا ہے، اس لئے کہ ہندوستان کی بیشتر زبانوں میں آج بھی اسلام کا کتاب وسنت کے مطابق لٹریچر برائے نام ہے۔ مولانا شمس پیرزادہ صاحب مرحوم نے مرہٹی زبان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا اور آخر کار انہوں نے قرآن مجید کا ترجمہ مع تفسیر مرہٹی زبان میں مکمل کرڈالا اس کے علاوہ جناب مولانا ابواللیث صاحب اصلاحیؒ کے ایماء پر حدیث شریف کی تفہیم وتشریح کا کام بھی وہ مختلف زبانوں

میں کرتے رہے۔ ہم لوگ برادران وطن کی اسلام دشمنی یا ان کی غلط فہمیوں کا شکوہ تو کرتے ہیں لیکن اپنی عملی زندگی کے ذریعہ سراپا دعوت بن جانا تو دور کی بات ہے، لٹریچر کے ذریعہ بھی ان تک اسلام کی دعوت کو پہنچانے کا منصوبہ بندی کے ساتھ کام کرنے میں کوتاہی برتتے ہیں اگر ہمارے مدارس کے طلبہ علوم شرعیہ میں مہارت کے ساتھ اپنی علاقائی زبانوں کو بھی ساتھ ساتھ یا فراغت کے معاً بعد پڑھ لیں تو وہ اپنے علاقوں میں جا کر اپنی مقامی زبانوں میں اپنی زبان وقلم کا اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے استعمال کرسکتے ہیں۔ ہندوستان کی کئی مقامی زبانیں ہیں جن میں کتاب وسنت کا لٹریچر یا فکری مواد موجود نہیں ہے۔ فارغین اگر ترجمہ کو اپنا مقصد حیات بنالیں تو ایک بہت بڑا کام ہوسکتا ہے اور دین کا ایک بڑا اور ناگزیر تقاضا پورا ہوسکتا ہے۔

(۲) جہاں تک انگریزی زبان کا مسئلہ ہے تو وہ ایک عالمی زبان ہے اس کی افادیت اور اہمیت سے انکار کرنا حقیقت سے آنکھیں چرانا ہے، جامعۃ الفلاح جیسے ادارے اس پر کافی توجہ دے رہے ہیں لیکن بعض مدارس کا حال یہ ہے کہ انگریزی پڑھنے کے باوجود وہاں کا ایک طالب علم ریزرویشن فارم بھرنے تک کے لئے بھی دوسروں کا دست نگر ہوتا ہے اس کی حالت انگریزی کے سلسلہ میں قابل رحم ہوتی ہے جب کہ وہ برسہا برس انگریزی زبان پڑھتا ہے لیکن دو چیزیں ہیں جس کی وجہ سے وہ دقت کا شکار ہوجاتا ہے ایک تو نصاب آخری درجہ کا ناقص ہے دوسرے انگریزی گھنٹوں کے لئے جو وقت درکار ہے وہ ارباب مدارس کے نزدیک ناقابل اعتناء ہے، شریعت مطہرہ کو اصل اور اس زبان کو ضمنی کہہ کر ٹال دینا حقیقت پسندی نہیں ہے اگر مدارس عربیہ میں انگریزی کا نصاب تعلیم درست کردیا جائے تو اسی مدت میں ایک اچھے اور صحیح نصاب کی بدولت ان کی انگریزی زبان بہتر ہوسکتی ہے۔ فارغ ہونے کے بعد طلباء یونیورسٹی جائیں یا نہ جائیں، انگریزی کے تعلق سے وہ احساس کمتری کا شکار نہیں ہوں گے۔ اور ان میں اتنی صلاحیت پیدا ہوجائے گی کہ وہ اس پر اپنی عمارت خود تعمیر کرسکیں اور اگر مزید ضرورت ہو تو ذاتی مطالعہ سے وہ اپنی ضرورت کی تکمیل کرلیں۔

(۳) فراغت کے بعد دینی ومعاشی دونوں فرائض کی ایک شکل یہ بھی نکل سکتی ہے کہ مدارس کے طلبہ صحافت اور ذرائع ابلاغ کی طرف متوجہ ہوں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جناب سید

حامد چانسلر ہمدرد یونیورسٹی دہلی نے مدارس اور یونیورسٹیوں کے مابین رابطہ استوار اور مستحکم کرنے کے لئے اپنے وسیع تر تجربات اور ملی دردمندی کے ساتھ بہت ہی مفید اسکیموں کی طرف قوم کو متوجہ کیا، ساتھ ہی جامعہ الہدایہ جے پور کے بانی مولانا عبدالرحیم مجددیؒ کے اقدام کا یہاں ذکر نہ کرنا بددیانتی ہوگی کہ مرحوم نے مدارس کی دنیا میں ایک انقلابی قدم اٹھایا اور مدرسہ کے نصاب میں دینی وعصری تعلیم کے ساتھ تکنیکی تعلیم کو بھی داخل کیا۔ مولانا مجاہدالاسلام صاحب قاسمی سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے ایک مرتبہ اس ضرورت کی طرف اشارہ کیا تھا کہ اگر ہمارے مدارس کے فارغ طلبہ صحافت کی طرف متوجہ ہوجائیں تو وہ صحافت کی دنیا میں کامیاب ہوسکتے ہیں اور اپنا لوہا منواسکتے ہیں ایک بڑا فائدہ تو ان کو عربی زبان سے حاصل ہوگا جس کی حیثیت عالمی زبان کی ہوگئی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ذہنی سطح، فکروسوچ اور معاملہ فہمی شریعت مطہرہ کے مطالعہ کی بدولت پختہ ہوجاتی ہے علاوہ ازیں عوام کی ذہن سازی میں میڈیا جو رول ادا کررہا ہے اس کی بدولت افسوس ناک حد تک جمہوریت کا اہم ستون جس گھن کا شکار ہوتا چلا جارہا ہے اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ صالح اور تعمیری فکر رکھنے والے مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ اس طرف کا رخ کریں اور فن میں کمال کے ساتھ صحافت کی اخلاقیات کا بھرپور عملی مظاہرہ کریں۔

(۴) مسئلہ کے حل کی ایک شکل یہ بھی بن سکتی ہے کہ ارباب مدارس عصری تعلیم گاہوں میں عصری تعلیم کے لئے دیگر پروفیشنل اور اکیڈمک کورسیز کے لئے ازخود منتخب وچنندہ طلباء کو ایک ہدف مقرر کرکے بھیجیں تاکہ زندگی کے ہر میدان میں ان کی نمائندگی ہوسکے۔

(۵) یونیورسٹیاں چاہے وہ ملکی ہوں یا غیر ملکی ان سے الحاق کو باقی رکھنے کا، نئے سرے سے ان سے الحاق یا تسلیم شدہ کرانے میں تساہل سے کام نہ لیا جائے اس سے طلبہ میں مایوسی وافسردگی کے بجائے مسابقت کا جذبہ پیدا ہوگا اور تعلیمی فضا کے بنانے میں راہیں ہموار ہوں گی بلکہ ہمارے طلبہ میں ایک اندرونی اور فطری داعیہ پیدا ہوگا۔ مسابقت کا جذبہ بیدار ہوگا اور یہ داعیہ اور یہ جذبہ تعلیمی فضا کے بننے اور سازگار ہونے میں نہایت مفید ومعاون ثابت ہوگا۔

(۷) طلبہ کے معقول معاش کے انتظام کی فکری ذمہ داری بھی مدارس عربیہ پر عائد ہوتی

ہے تاکہ ان علوم کے فارغین کا ایک طبقہ ایسا بھی ہو جو کارزار حیات کے مختلف میدانوں میں صالح وتعمیری فکر اور دینی شعور کے ساتھ ان میں کمال پیدا کرے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ کا سلسلۃ الذہب اس کی ایک روشن مثال اور دارالمصنفین کا قیام اس کی ایک عملی شکل ہے جو راستہ آج بھی مدارس کے فارغین کے لئے مشعل راہ ہے اور ایسے اداروں کے ذریعہ ایک طرف نہ صرف دین کی زبردست خدمت ہوسکتی ہے بلکہ دوسری طرف معاش کا مسئلہ بھی حل ہوسکتا ہے۔ طلباء کو اپنے شعار اور اسلامی فکر کے ساتھ تصنیف وتالیف اور فکری وعلمی کاموں میں اپنا وقت صرف کرنا چاہئے۔ عرض مدعا یہ ہے کہ فارغین مدارس کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے کہ کون سا کام ان کے شایان شان ہے۔ طلبہ کے سامنے بنیادی مقصد خدمت دین ہونا چاہئے اسلام ایک اقدامی دین ہے اغیار میں دعوت وتبلیغ کا کام بھی اقدام ہی ہے لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں تساہل وتغافل برتا اور اس کا ایک نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اسلام کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کرنے میں دشمن کے لئے آسانیاں پیدا ہوگئیں اس نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ مسلمانوں اور اسلام کو دفاعی پوزیشن میں لا کھڑا کیا اس کے لئے اس وقت کے کرنے کے دو محاذ بہت اہم ہیں ایک تو اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ اور علمی سطح پر اس کا جواب دیا جائے۔ اسلام کے حسین ودلکش چہرے اور معقول ومدلل مذہب کو برادران وطن اور عالمی برادری کے سامنے پیش کیا جائے جس منصوبہ بندی اور جس عمیق مطالعے نیز جس گہری چال اور سوچی سمجھی منصوبہ بند سازشوں کے تحت اسلام کو غلط فہمیوں کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے اس نے صاف دل افراد کے اندر اسلام کے تعلق سے تجسس پیدا کردیا ہے اور وہ اسلام سے متعارف ہونا چاہتے ہیں □□□

رمضان المبارک کا استقبال اور ہماری ذمہ داری

مفتی محمد صادق حسین قاسمی

بہت جلد نیکیوں کا موسمِ بہار ماہِ رمضان المبارک ہم پر سایہ فگن ہونے والا ہے، اللہ تعالی کی رحمتوں اور عنایتوں والا مہینہ جلوہ گر ہونے والا ہے، عبادت اور اطاعت کا نورانی ماحول چھانے والا ہے، رمضان المبارک مہمان بن کر آتا ہے اور اس کا اکرام کرنے والے اور قدر دانی کرنے والے کو انعامات الٰہی سے نواز کر جاتا ہے، اسی لئے اس مہینہ کی آمد کا انتظار ہر مسلمان کو رہتا ہے، اور جس کی آمد سے ہر ایک کو بے پناہ خوشی و مسرت ہوتی ہے اور ممکن بھر اس کی قدر دانی کی فکر لاحق ہوتی ہے، اس مہینہ کا انتظار خود نبی کریم ﷺ کو رہتا اور آپ رجب کے مہینہ سے اپنی دعاؤں میں اس کا اضافہ فرماتے کہ: **اللھم بارک لنا فی رجب و شعبان و بلغنا رمضان**۔ (مسند احمد: 2257) یعنی اے اللہ ! ہمارے لئے رجب وشعبان میں برکت عطا فرمایا اور رمضان کے مہینہ تک ہمیں پہنچا۔

آپ ﷺ یہ دعا بھی فرماتے تھے: **اللھم سلمنی لرمضان و سلم رمضان لی و سلمہ لی متقبلا**۔ (الدعاء للطبرانی، حدیث نمبر: 839)

یعنی اے اللہ! مجھے رمضان کے لئے اور رمضان کو میرے لئے صحیح سالم رکھیئے اور رمضان کو میرے لئے سلامتی کے ساتھ قبولیت کا ذریعہ بنا دیجئے۔

رمضان المبارک کے پیشِ نظر آپ ﷺ شعبان کے مہینہ میں عبادتوں کا اہتمام دیگر مہینوں کے مقابلے میں زیادہ فرماتے اور رمضان المبارک کی تیاری کا عملی نمونہ پیش فرماتے۔ نبی کریم ﷺ نے اس مہینہ کی عظمت اور اہمیت ہی کی بنیاد پر اس کی آمد سے پہلے شعبان کے آخری ایام میں حضرات صحابہ کرامؓ کو جمع فرما کر اس کی فضیلت بیان کیا اور اس کی خصوصیتوں کو بیان فرمایا، اور ایک عظیم الشان خطبہ دے کر اس کی اہمیت اور عظمت کو اجاگر کیا۔

خطبۂ نبوی ﷺ:

حضرت سلمان فارسیؓ روایت کرتے ہیں کہ: شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے اس مہینے میں ایک رات ہے (شبِ قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالی نے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام (تراویح) کو غیر فرض (یعنی سنت) کیا، جو شخص اس مبارک مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت کرے گا تو اس کا ثواب دوسرے زمانے کی فرض نیکی کے برابر ملے گا اور اس مہینے میں فرض نیکی کا ثواب دوسرے زمانہ کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی وغم خواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کر دیا جاتا ہے، جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو یہ اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور دوزخ کی آگ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا بغیر اس کے کہ روزہ دا کے ثواب میں کمی کی جائے۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان مہیا نہیں ہوتا تو (غریب لوگ اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟) آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالی یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو ایک کھجور یا دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی کا روزہ افطار کرادے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس مبارک مہینہ کا پہلا حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ دوزخ کی آگ سے آزادی ہے۔ جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام وخادم کے کام میں ہلکا پن اور کمی کردے گا اللہ تعالی اس کی مغفرت فرمادے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے گا، اور اس مہینہ میں چار چیزوں کی کثرت رکھا کرو جن میں دو چیزیں ایسی ہیں جس کے ذریعہ تم اپنے رب کو راضی کر سکتے ہو، اور دو چیزیں ایسی ہیں جن سے تم کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتے وہ کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت ہے، اور دوسری دو چیزیں یہ ہیں کہ جنت کا سوال کرو اور دوزخ سے

پناہ مانگو، اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پانی سے سیراب کرے اس کو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) میرے حوض (کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی یہاں تک کہ وہ جنت میں پہنچ جائے۔(صحیح ابن خزیمہ : 1785،شعب الایمان للبیہقی :3329)

خطبۂ نبوی کی جھلکیاں:

رمضان المبارک کی آمد سے قبل نبی کریم ﷺ نے یہ خطبہ دیا اور اس کے ذریعہ آپؐ نے درحقیقت صحابہ کرامؓ کو استقبالِ رمضان کا حقیقی تصور پیش کیا اور رمضان المبارک کی نہ صرف اہمیت اور فضیلت بیان کی بلکہ حقیقی استقبال کی فکروں کو بیدار کیا اور رمضان المبارک کے لئے ہمہ تن رتیار رہنے اور اس کے لئے اپنے معمولات میں ان تمام چیزوں کو داخل کرنے کی تعلیم دی جس مقصد کے لئے رمضان آتا ہے، عبادت تو ایک مسلمان سال بھر اپنی بساط بھر کرتا ہے لیکن رمضان المبارک چوں کہ خالصۃ عبادتوں کا موسم اور نیکیوں کا سیزن ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عبادتوں کے اجر وثواب میں اضافہ اور زیادتی کی جاتی ہے، نوافل کو فرض کا ثواب اور فرائض کا ثواب ستر درجہ بڑھا دیا جاتا ہے اس کو بیان کیا اور ایمان والو کے ذہن ودل میں یہ بات بٹھادی کہ رمضان المبارک کے استقبال کے لئے اپنے آپ کو عبادت کے لئے فارغ کرنا اور طاعات میں سرگرداں ہوجانا ضروری ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے استقبالِ رمضان کے موقع پر حضرات صحابہ کرامؓ کو فرمایا کہ یہ ہمدردی وغم خواری کا مہینہ ہے، بدنی عبادتوں کے لئے تیار ہونے کے ساتھ ساتھ، ایثار وہمدردی کے خوابیدہ جذبات کو بھی بیدار کرنا اور انسانوں کی خیر خواہی والی صفات سے بھی آراستہ ہونے کی آپ نے تلقین فرمائی، اس کے لئے آپ ﷺ نے طریقہ بھی صحابہ کرام کے استفسار پر طریقہ بھی بتادیا کہ اس عمل کو انجام دینے کے لئے کوئی لمبی چوڑی دعوت ضروری نہیں بلکہ ایک کھجور، لسی یا پانی کا ایک گھونٹ ہی کیوں نہ لیکن مسلمان کو اس راہ بھی نیکیاں کمانے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہونا ضروری ہے، تبھی جا کر وہ رمضان المبارک کی حقیقی قدردانی کرنے والا شمار ہوگا، روزہ

انسان کی اس سلسلہ میں بہترین تربیت کرتا ہے اور حقیقی روزہ دار ایثار وہمدردی سے مزین ہوگا اور اسے سارے انسانوں کے تئیں ہمدردی پیدا ہوگی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مہینہ صبر کی تربیت کا ہے کیوں کہ اس میں روزہ کی شکل مسلمان لمبے وقت کے لئے اپنے تقاضوں اور خواہشات کو قربان کرتا ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے حلال و جائز چیزوں کو بھی ترک کردیتا ہے، اس کے ذریعہ آپ ﷺ نے برداشت وتحمل کے مزاج کو حاصل کرنے کی تعلیم دی کہ جس کے بغیر اس عظیم عبادت کی انجام دہی دشوار ہوجاتی ہے۔

اس خطبہ کے آخر میں نبی کریم ﷺ نے نہایت اہم چیز کی طرف توجہ دلائی اور رمضان المبارک میں اس کے حصول کو ضروری قرار دیا اور یہ سکھایا کہ رمضان المبارک کے بابرکت اوقات کو اور قیمتی لمحات کو ان چیزوں کی طلب اور دعا میں میں گذارنا چاہیے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس ماہِ مبارک میں دو چیزیں ایسی ہیں کہ اس کی ضرورت سے کوئی بندہ مستغنی نہیں، ہر ایک اس کا حاجت مند اور طلبگار ہے، ان میں سے ایک جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ کی دعائیں اور التجائیں ہیں، رمضان کے مبارک ماحول میں اس فکر میں رہنا ضروری ہے کہ کسی طرح رمضان انسان کو جنت تک پہنچادے اور جہنم سے محفوظ کردے، اس کو خداوندے قدوس سے مانگنا اور حاصل کرنا ہے، اگر یہ مبارک مہینہ میں بھی انسان کے لئے جنت کا فیصلہ نہ ہوجائے اور جہنم سے نجات کا اعلان نہ ہوجائے تو بلاشبہ سب سے بڑا اشقی القسمت اور بدنصیب ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے اس مہینہ کو انسانوں کی مغفرت کا مہینہ قرار دیا اور اس انسان کو بد نصیب فرمایا وہ رمضان تو پائے اور اپنی مغفرت نہ کروالے، اسی لئے آپ نے رمضان کے آنے سے پہلے اس اہم ترین سعادت کے حصول کے لئے تیار ہوجانے کی ترغیب دلائی۔اور اس کے ساتھ آپ نے رمضان کے مبارک لیل ونہار کو فضول گپ شپ، لایعنی مشاغل، تضیع اوقات کے بجائے کارآمد بنانے کا نسخہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اس مہینہ کو کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت کرنی چاہیے اور اپنی زبان کو غیر ضروری باتوں سے بچاتے ہوئے ذکر اللہ کی کثرت میں

تر رکھنے کا حکم دیا۔اس خطبہ میں آپ ﷺ نے رمضان کی حقیقت بھی بیان کردی اور اللہ تعالی کی رحمت کی تقسیم کے انداز سے بھی آگاہ کردیا کہ اس مہینہ کا پہلا عشرہ رحمتوں کا ہے انسان کو رحمت الٰہی کے حصول میں منہمک رہنا چاہیے دوسرا عشرہ مغفرت کا ہے اس میں مغفرت اور بخشش کی دعاؤں کا التزام رکھنا چاہیے اس کا اس کا آخری عشرہ جہنم کی آگ سے خلاصی اور چھٹکارہ پانے کا ہے لہذا ان چیزوں کو پیشِ نظر رکھ کر عبادتوں کی تیاری کرنے اور اپنے ذہن ودل کو تیار کرنے کے لئے آپ ﷺ نے یہ نہایت بلیغ اور عظیم خطاب فرما کر صحابہ کرام کو اس جانب سے متوجہ کیا۔

استقبالِ رمضان اور اعمال کی فکر:

نبی کریم ﷺ نے اور بھی بعض خطبات آمدِ رمضان سے قبل دیئے جس میں آپ ﷺ نے مختلف انداز میں میں رمضان المبارک کی عظمت کو بیان کیا اور اس کی قدردانی کی بھرپور رغبت دلائی۔ چناں چہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس رمضان کا مہینہ آرہا ہے، پس تم اس کے لئے تیاری کرو اور اپنی نیتوں کو صحیح کرو اور اس کا احترام اور تعظیم کرو، اس لئے کہ اس مہینہ کا احترام اللہ تعالی کے نزدیک بہت عظیم احترام والی چیزوں میں سے ہے، لہٰذا اس کی بے حرمتی مت کرو، اس لئے کہ اس مہینہ میں نیکیوں اور برائیوں دونوں (جزاء وسزا) کی میں اضافہ کردیا جاتا ہے۔ (کنز العمال:) نبی کریم ﷺ نے اس میں احترام رمضان کی شدید ضرورت کو بیان کیا، ہمارے ذہنوں میں یہ بات تو ہے کہ اس میں نیکیوں کا اجر وثواب بڑھا دیا جاتا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس عظیم مہینہ میں اگر نافرمانی کی جائے اور شریعت کی تعلیمات کی مخالفت کی جائے تو سزا میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔اس طرح نبی کریم ﷺ نے انسانوں کو اپنے اعمال کی فکر میں رہنے اور بے احترامی والے کاموں سے احتراز کرنے کی تاکید کی۔

اہتمامِ رمضان اور اکابرین:

رمضان المبارک کا استقبال اور اس کی آمد سے قبل اس کی حقیقی تیاریوں کا اہتمام بزرگانِ

دین میں خاص طور پر پایا جاتا تھا، نبی کریم ﷺ نے جس انداز میں صحابہ کرام کے ذوق اور جذبات کو پروان چڑھایا اس کے اثرات امت میں پے در پے منتقل ہوتے گئے اور امت کے صلحاء اور اتقیاء نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس کی مبارک مہینہ کی قدردانی کر کے ایک عملی نمونہ انسانوں کو دیا، آمدِ رمضان سے پہلے ہی وہ اپنی ذمہ داریوں کا جائزہ لے کر اپنے اوقات کو فارغ کر لیتے تاکہ زیادہ سے زیادہ وقت عبادات میں گذرے اور پورے شوق وانہماک کے ساتھ اعمال کو انجام دیا جاسکے۔شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ لکھتے ہیں کہ: حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ کے یہاں تو رمضان المبارک کا مہینہ دن ورات تلاوت ہی کا ہوتا تھا کہ اس میں ڈاک بھی بند اور ملاقات بھی ذرا گوارا نہ تھی، بعض مخصوص خدام کو صرف اتنی اجازت تھی کہ تراویح کے بعد جتنی دیر سادی چائے کے ایک دو فنجان نوش فرمائیں اتنی دیر حاضر خدمت ہوجایا کریں۔ (فضائلِ رمضان: ۷)

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے بارے میں نقل فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں مولانا کی خاص حالت ہوتی تھی، اور دن رات عباداتِ خداوندی کے سوا کوئی کام ہی نہ ہوتا، دن کو لیٹتے اور آرام فرماتے، لیکن رات کا اکثر حصہ بلکہ تمام رات قرآن مجید سننے میں گذار دیتے۔ (اکابر کا رمضان: ۳۱)

ماضی قریب کے اکثر بزگانِ دین اور اکابرین کی رمضان المبارک میں یہی کیفیت ہوتی وہ مکمل خود کو فارغ کر لیتے اور دل وجان سے عبادات وطاعات میں مشغول ہوجاتے۔اس طرح ان حضرات نے رمضان المبارک کی قدر کی اور نیکیوں سے دامن کو بھرا اور انعامات الٰہی کے حق دار بن کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

استقبالِ رمضان اور نظام الاوقات:

استقبالِ رمضان صرف یہی نہیں ہے کہ چند جلسے سن لیئے اور کچھ بیانات میں شرکت ہوگئی بلکہ رمضان المبارک کا حقیقی استقبال یہ ہے کہ اس آنے والے مبارک مہینہ کے لئے اپنے روز کے نظام العمل میں کچھ تبدیلی لائیں، مصروفیات اور مشغولیات سے وقت کو فارغ کرنے کا نظم

بنائے، کیوں کہ دنیا میں کوئی کام بغیر نظام العمل کے بحسن وخوبی پائے تکمیل کونہیں پہنچتا تو عبادات کا نظام بغیر نظم وضبط کے کیسے قابو میں آسکتا ہے؟ اس لئے ہر مسلمان کو رمضان المبارک کی آمد سے قبل ہی اپنے معمولات کا ایک جائزہ لینا ضروری ہے، اور لایعنی وفضول کاموں سے اجتناب کرتے ہوئے رمضان لمبارک کا نظام لعمل ترتیب دینا چاہیے تاکہ سلیقہ وسہولت کے ساتھ وقت کی رعایت و پابندی کے ساتھ رمضان المبارک کو گذارا جائے اور عبادتیں انجام دی جائیں۔

مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں کہ: میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ رمضان کا استقبال اور اس کی تیاری یہ ہے کہ انسان پہلے یہ سوچے کہ میں اپنے روزمرہ کے کاموں میں سے مثلاً تجارت، ملازمت، زراعت وغیرہ کے کاموں میں سے کن کن کاموں کو مؤخر کرسکتا ہوں، ان کو مؤخر کردے، اور پھر ان کاموں سے جو وقت فارغ ہو اس کو عبادت میں صرف کرے۔ (اصلاحی خطبات: ۱۰/ ۵۷)

اس طرح اگر رمضان لمبارک کا استقبال ہو تو پھر واقعی ہر مومن نیکیوں کو سمیٹنے اور اعمال کو انجام دینے میں اس قدر مصروف ہوگا کہ اسے بے کار اور لایعنی امور میں پڑنے اور وقت کو غیر ضروری چیزوں ضائع کرنے موقع ہی نہیں ملے گا۔

ہماری ذمہ داری:

رمضان لمبارک کی قدرومنزلت اور اس کے استقبال سے متعلق یہ چند باتیں ذکر کی گئیں، اصل یہ ہے کہ ہمیں اس بارے میں فکر مند ہونا چاہئے کہ آج کل جس طرح ہم رواجی انداز میں رمضان کو خوش آمدید کہتے ہیں اور اس کی آمد پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں لیکن رمضان کے چند دن گذرنے بھی نہیں پاتے کہ بے احترامی اور ناقدری کا معاملہ شروع ہوجاتا ہے، ابتداء میں مسجدیں مصلیوں سے بھریں ہوئی نظر آتی ہیں بلکہ بعض اوقات تنگ دامنی کا شکوہ کرتی ہیں مگر جوں ہی کچھ دن گذرنے نہ پاتے ہیں کہ تعداد میں کمی اور شوق وذوق میں انحطاط شروع ہوجاتا ہے، یہ اس وجہ ہے کہ ہم نے رمضان کی حقیقی قدر نہیں جانی اور جس انداز میں اس میں عبادتوں کو انجام دینا تھا اس سے ہم غافل رہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو۔۔۔ باقی ص ۳۱ پر

ہندوستان میں اقلیتوں کا استحصال

اور ہماری ذمہ داری

ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی

اس حقیقت سے قطعی انحراف وانکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اب سیاسی اقدار بڑی تیزی سے روبہ زوال ہیں؛ کیونکہ جو تصور؛ مفہوم اور تعبیر وتشریح سیاست وحکومت کی عہد حاضر میں سیاسی رہنما پیش کررہے ہیں؛ وہ نہ صرف ملی؛ ملکی اور قومی مفاد کے تئیں نقصاندہ ہے بلکہ ایک ترقی پذیر سماج کے لئے بھی خطرہ ہے بدقسمتی یہ ہیکہ اس عظیم الشان جمہوری ملک میں مسلم اقلیت کبھی اپنوں تو کبھی اغیار واعداء کی زد میں رہی ہے؛ یہی وجہ ہیکہ آزادی کے بعد سے آج تک ہندوستان میں مسلم اقلیت کو درکنار کیا جاتا رہا ہے؛ امتیازی سلوک پر شاہد عدل سچر کمیٹی کی رپورٹ موجود ہے- علاوہ ازیں اگر ہم سات دہائیوں کی پوری تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو اندازہ ہوجائے گا کہ مسلم اقلیت کا کوئی فرد (باستثناء چند ایک تمثیلوں کے) کسی بھی باوقار اور قابل ذکر سرکاری عہدہ پر فائز نہ ہوسکا، یہاں فطری طور پر ایک سوال ابھرتا ہے کہ آخر مسلمانوں میں استعداد وصلاحیت کی کمی ہے یا پھر کوئی اور وجہ ہے؟ سچائی یہ ہے کہ چند منفی افکار کے حاملین کی وجہ سے مسلم اقلیت کو بارہا زدوکوب کیا گیا ہے اگر ہم اپنے آئین کی دفعات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت طشت ازبام ہوتی ہے کہ وطن عزیز میں تمام افراد وقبائل کے ساتھ یکساں سلوک و برتاؤ کیا جانا ضروری امر ہے-مگر افسوس کہ یہاں ایک طبقہ ہمیشہ سے ایسا موجود رہا ہے جس نے ملک کی دوسری سب سے بڑی اکثریت کے ساتھ اونچ نیچ؛ بھید بھاؤ اور امتیاز وافتراق جیسا رویہ اپنانے کو اپنی سعادت وکامرانی سمجھا ہے؛ اسی طبقہ کی منفی فکر اور ناقص سوچ کی وجہ سے ہندوستان کے منظر نامہ سے آئے دن تشویشناک خبریں موصول ہوتی رہتی ہیں، تازہ خبر ہندوستان کے صوبہ آسام سے موصول ہوئی کہ وہاں ایک معمر مسلم شخص کے ساتھ زعفرانی عناصر

نے ظلم وستم کا ننگا ناچ ناچا؛ حتی کہ اس کو خنزیر کا گوشت کھلانے کی مکروہ سعی کی؛ دراصل مودی حکومت کی کامیابی کا راز ہندو مسلم تفریق ہی میں مضمر ہے ذرا تصور کیجئے جو حکومت ایک طرف سب کا ساتھ سب کا وکاس جیسا پرامید نعرہ دیتی ہے وہیں دوسری طرف ملک میں فرقہ پرست عناصر مسلم اقلیت کو لو جہاد؛ گھر واپسی؛ حب الوطنی اور ہجومی تشدد کے نام پر درجنوں افراد کو تہ تیغ کر ڈالتے ہیں ہیں؛ مگر حکومت نے اپنے دور اقتدار میں ان غنڈوں کے خلاف ابھی تک کوئی قانونی کارروائی نہیں کی ہے حکومت کی عدم توجہ کی وجہ سے ایسا لگتا ہے کہ یہ دلخراش واقعات حکومت کے ایماء پر انجام دیئے جارہے ہیں؛ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ملاحظہ کرتے چلیں کہ سلطان پور میں مینکا گاندھی نے ایک عوامی ریلی کو خطاب کرتے ہوئے جس طرح مسلم اقلیت کو ڈرایا دھمکایا وہ بھی جمہوری قدروں کے لئے ٹھیک نہیں ہے؛ واضح رہے کہ جمہوریت کی عظمت وشان یہی ہے کہ کہ ہر شہری اپنے حق رائے دہی کے لئے آزاد ہے؛ وہ اپنی مرضی کے مطابق جسے چاہے اپنا ووٹ دے؛ نیز کسی بھی فرد پر دباؤ دھونس بنا کر کسی خاص سیاسی جماعت کے لئے اسے ووٹ ڈالنے پر مجبور کرنا جمہوری قدروں کو داغدار کرنے کے مترادف ہے؛ ان کے اس دھمکی بھرے لہجے میں ایک راز پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ؛ وہ بین السطور میں یہ کہنا چاہتی ہیں کہ رواں الیکشن؛ میں ہار رہی ہوں اور اسی خوف کی وجہ سے انہوں نے اپنی حمایت کی اپیل میں غیر اخلاقی کلمات استعمال کئے ہیں؛ مسلم اقلیت کو خوف وہراس میں مبتلا کرنے کی ایسی ایک دو مثالیں نہیں ہیں بلکہ ہم گزشتہ پانچ برسوں سے یہی سنتے دیکھتے اور پڑھتے آئے ہیں؛ اس طرح کے بیانات سے فسطائی طاقتوں کو فائدہ اس طور پر بھی ہوتا ہے کہ ماحول اشتعال انگیز ہوجاتا ہے؛ لہذا اس کی ضرورت بھی زعفرانی طاقتوں کو ہمیشہ رہتی ہے؛ مودی حکومت کے پانچ سالہ دور اقتدار کی تاریخ بھی یہی رہی ہیکہ وہ ابھی تک نان ایشوز کو ایشو بنا کر بھناتی رہی ہے اور رواں الیکشن کو بھی ہندو مسلم رنگ میں رنگ دینے کی پوری کاوش ہورہی ہے حیرت تو اس بات پر بھی ہوتی ہے کہ حکمراں جماعت نے جس طرح سے ہندوستانی معاشرہ میں نفرت وتنگ نظری کے بیج بوئے ہیں وہ کسی بھی سیکولر آئین کے حامی معاشرہ میں مناسب نہیں ہیں سیکولر آئین کے

تحفظ کے متحمل معاشرہ کی خصوصیت باہم انگیز کرنا؛ بقائے باہم پر ایمان ویقین رکھنا ہے- دلچسپ بات یہ ہیکہ اب دیش بھکتی کا سرٹیفکٹ وہ عناصر بانٹ رہے ہیں جنہوں نے ہمیشہ ملک کو پارہ پارہ کرنے اور باہم نفرت وعداوت پھیلانے کا کام کیا ہے؛

مسلم اقلیت کے ساتھ دوہرا معیار اختیار کرنا اور ہندوستانی مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھانا شر پسند عناصر کا وطیرہ بن گیا ہے اس پر بالفور بندھ لگانا ضروری ہے-

حکمراں جماعت کے دور اقتدار میں جس طرح مسلم اقلیت کو ستایا گیا ہے اس سے متاثر ہوکر اقوام متحدہ کی حقوق انسانی کی کمیٹی کی رپورٹ نے بتایا ہے کہ رواں حکومت میں ہندوستان جیسے تکثیری معاشرہ میں اقلیتوں کو ہراساں کیا جارہا ہے؛ مشیل بسلٹ نے اپنی سالانہ رپورٹ میں یہ ظاہر کیا ہے کہ 2018 میں نفرت پر مبنی واقعات کی تعداد 218 تک پہنچ گئی ہے جن میں پچاس واقعات میں مسلم اقلیت کو نشانہ بنایا گیا ہے؛ اور بقیہ سانحات میں دلت ودیگر کمزور طبقات کو زک پہنچائی گئی ہے- اسی طرح یہاں یہ پیش کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا کہ رواں برس مارچ کے اوائل میں امریکہ کے ایک ادارے یو ایس کمیشن آن انٹرنیشنل ریلیجیس فریڈم کے ذمہ داروں کو ہندوستان آنے کا ویزا دینے سے انکار کردیا گیا نیز اس ادارے کے عہدیداروں کو گزشتہ کئی برس سے ہندوستان آس ے کی اجازت نہیں مل رہی ہے یو ایس سی آئی آر ایف کے چیئرمین روبرٹ پی جارج کا کہنا ہے کہ" ہمارا ادارہ ہندوستان آنے کی کوشش کرتا رہے گا کیون کہ ہندوستان سے جو خبریں موصول ہورہی ہیں ان میں یہ بتایا جارہا ہیکہ 2014 سے حالات مزید خراب ہوئے ہیں؛ اور حکومت کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے"

اس رپورٹ کو بی جے پی کے قومی ترجمان شاہ نواز حسین نے بے بنیاد قرار دیکر رد کرنے کی کوشش کی ہے ہم کتنا بھی انکار کریں مگر اعداد وشمار اور حقائق وشواہد کو کبھی بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا ہے؛ حکمراں جماعت کے دور اقتدار میں جس طرح سے مسلم اقلیت اور دیگر تمام کمزور طبقات کو تہ تیغ کیا گیا ہے وہ ہندوستان جیسے کثیر مذہبی سماج کی پیشانی پر بدنما داغ ہے اور یہ ہجومی تشدد کا مکروہ ومذموم سلسلہ 2015 دادری کے اخلاق کی ہتھیا سے شروع ہوا تھا جو ہنوز

جاری وساری ہے۔

افسوس کی بات یہ رہی کہ ہجومی تشدد کو روکنے کے لئے سیکولر کہی جانے والی سیاسی جماعتوں نے بھی وہ دم خم نہیں دکھایا جس کی ضرورت تھی؛اس لئے یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ مسلم اقلیت کو آزادی سے لیکر ابھی تک صرف ووٹ بینک کے طور استعمال کیا ہے؛اور بدلہ میں کچھ بھی نہیں دیا،حتی کہ ابھی تک مسلم اقلیت پورے ملک میں تحفظ نفس اور حفاظت جان کی بھیک مانگتی نظر آرہی؛اس لئے تحفظ جان کے ساتھ مسلم اقلیت کو دیگر تمام بنیادی اورضروی سہولیات فراہم کرنا بھی ہماری حکومتوں کی ذمہ داری ہے،اسی کے ساتھ ساتھ مسلم اقلیت کے امتیاز وتشخص؛وقار ووجود اور تاریخ وتہذیب کی بھی حفاظت کے لئے عملی اقدام کرنا حکومتوں کی اولین ذمہ داری ہے؛مگر شرمناک بات یہ ہیکہ رواں حکومت نے مسلمانوں کے تہذیبی ورثہ اورآثار وعلامات کو بھی خرد برد کرڈالا۔

مسلم اقلیت کی زبوں حالی ہر محاذ پر قابل رحم ہے؛تعلیم کے میدان میں توسب سے پسماندہ ہندوستان میں مسلم اقلیت ہی ہے؛بس مسلمانوں کے چند تعلیمی ادارے ہیں ان پر بھی حاسدین ومعاندین کی نظر بد مرکوز رہتی ہے؛ بناء بریں مسلم اقلیت کی تعلیم وتربیت کے لئے مواقع پیدا کرنا اور ماحول کو سازگار بنانا بھی انتہائی ضروری ہے؛اس کے لئے خود مسلم اقلیت کو بھی آگے آنا ہوگا اور تعلیم کے حصول کے لئے اپنی تمام تر دولت وثروت کو لگانا نہایت ضروری ہے۔آخر میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ ہندوستان میں جس طرح تشدد کی واردات میں اضافہ ہوا ہے وہ پورے ہندوستانی معاشرہ کے لئے کلنک ہے؛اس سے معاشرہ میں نفرت؛ بدامنی اور بدعنوانی جنم لے رہی ہے اور ملک کی صدیوں پرانی تہذیب انیکتا میں ایکتا؛ ہندومسلم اتحاد؛ قومی یکجہتی جیسی درخشاں روایات بری طرح مجروح ہورہی ہیں؛ چنانچہ ہندوستانی سماج کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے باہم مرکزیت ویکجائیت اور بھائی چارگی کو فروغ دینا انتہائی ضروری ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب اخلاص کے ساتھ ذاتی مفاد کو بالائے طاق رکھ کر ملک وملت کی خدمت کا جذبہ عوام اور خواص سب میں جاگزیں ہو۔ □□□□

مسلمان سیاسی بے وزنی کے شکار کیوں؟

احمد شہزاد قاسمی

آزادی کے بعد سے ہی مسلمانوں کو نشانہ بنا کر ہندوستان میں ان پر عرصہ حیات تنگ کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا،تقسیم کے بعد فرقہ وارانہ فسادات کا سیلِ رواں اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی تھی اقتصادی طور پہ مضبوط اور خوشحال مسلم اکثریت والے علاقوں کو فسادات کی آگ میں جھلسا کر مسلمانوں کو اقتصادی طور پہ کمزور اور اپاہج کر دیا گیا تاکہ ان میں آئندہ اٹھنے کی ہمت اور جرأت نہ ہوسکے۔اس سلسلے کی دوسری کڑی مسلم نوجوانوں کو دہشت گردی کے الزام میں پکڑ کر پابہ زنجیر سلاخوں کے پیچھے دھکیلنے اور انہیں سالہا سال تک جیلوں میں بند رکھنے کی صورت میں سامنے آئی دہشت گردی کا ڈرامہ اس لئے وضع کیا گیا تاکہ مسلمانوں کو جسمانی ذہنی اور سماجی سطح پر اتنا کمزور کردیا جائے کہ یہ اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کرنے کے بھی قابل نہ رہ سکیں،اور آج مسلمان اس پوزیشن میں ہیں کہ ان کی اکثریت خود کو تمام معاملات میں اپنے آپ کو حاشئے پر محسوس کر رہی ہے تعلیم صحت روزگار اور سیاسی نمائندگی میں وہ سب سے پیچھے ہیں سرکاری ملازمتوں میں ان کا تناسب آبادی کے لحاظ سے بہت کم ہے جبکہ جیلوں میں ان کا فیصد بڑھ کر ڈبل ہوجاتا ہے۔

17 فیصد آبادی والے مسلمان سرکاری ملازمتوں میں محض ڈھائی فیصد اور جیل کی کال کوٹھریوں میں تیس فیصد سے زیادہ ہیں،اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ زیادہ جرائم کرتے ہیں بلکہ یہ معاشی اور سماجی سطح پر بہت غریب ہیں جو مہنگے ترین مقدمات نہیں لڑ سکتے بلکہ اکثر وبیشتر ضمانت کے لئے رقم بھی ادا نہیں کر پاتے اسی لئے جیل ان کا مقدر بن جاتا ہے،گزشتہ سالوں میں مسلم نوجوانوں کی جو لاتعداد گرفتاریاں ہوئی ہیں ان کی ٹھیک تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تاہم یہ حقیقت ہے کہ پورے ہندوستان میں ایسا کوئی بھی مسلم اکثریت والا علاقہ نہیں جہاں کسی

مسلم نوجوان کو دہشت گردی کے الزام میں گرفتار نہ کیا گیا ہو، چونکہ پولیس اور عدالتی شعبوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے اس لئے پولیس عصبیت کی بنیاد پر انہیں گرفتار کرتی ہے اور عدالت میں ان کے معاملات بھی اتنے ملتوی ہوتے ہیں کہ بے چارے ملزم کو جیل تک کھینچ لے جاتے ہیں۔

سولہویں لوک سبھا (عام انتخابات 2014) کے بعد زمامِ اقتدار پر اکثریت کے سخت گیر نمائندوں کا قبضہ ہوگیا تو صورتِ حال اور بھی زیادہ ناگفتہ بہ ہوگئی اس عرصہ میں ملک میں اقلیت بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ جس انسانیت سوزی کا رویہ اپنایا گیا اس سے ان میں اور زیادہ بے بسی گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہوگئی۔

اکتوبر 2017 میں مشہور امریکی میگزین "ٹائم" نے ہندوستانی مسلمانوں کے تیزی سے بگڑتے حالات پر مفصل رپورٹ شائع کی تھی جس کے مطابق ہندوستانی مسلمان ایک خطرناک خوف سے گزر رہے ہیں رپورٹ کے مطابق سن 2015 سے ہندو گینگ گھوم گھوم کر لوگوں کی ماب لنچنگ کر رہی ہے، مئی 2014 کے بعد سے اب تک سینکڑوں مسلمانوں کو گائے کا گوشت کھانے کے بہانے مارا جا چکا ہے، کسی بھی مسلم شخص کو سرِ راہ پیٹ پیٹ کر قتل کر دیا جاتا ہے مسلم گھروں میں دراندازی کر کے عورتوں اور بچوں تک پر لاٹھیاں برسا دی جاتی ہیں لیکن قانون کے ہاتھ ان مجرموں کے گریبانوں تک نہیں پہونچتے پولیس کی کارروائی اور سرزنش سے یہ غنڈے بچ رہتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آخر مسلمانوں کی کونسی ایسی کوتاہی ہے جس نے انہیں اتنا بے بس اور بے حیثیت کر دیا کہ وہ ہر شعبہ میں عصبیت کا شکار ہیں جبکہ انتخابی عمل سے گزرنے والے جمہوری ممالک میں 17 فیصد والی قوم بڑی معیاری زندگی گزارتی ہے حکومتوں کا اتار چڑھاؤ ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے لیکن ہندوستان میں صورتِ حال اس سے مختلف ہے، معمولی غور وفکر سے اس نتیجہ پر پہونچنا آسان ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے اپنی سیاسی شناخت کو بالکل ختم کر دیا اس لئے وہ ان مسائل سے دوچار ہیں جمہوری ملک میں عزت ومعیاری زندگی گزارنے کے لئے اپنی

سیاسی طاقت کا ہونا بہت ضروری ہے۔ مسلمانوں کو اس حقیقت کو سمجھنا ہوگا کہ سیاسی طاقت نہیں تو کچھ بھی نہیں ہماری سیاسی بے وزنی ہی سارے مسائل کی جڑ ہے اس بے وزنی کو ختم کرنا ہوگا۔

مسلمانوں کی سیاسی حالت اس قدر ناگفتہ بہ ہے کہ بی جے پی کو پتا ہے کہ مسلمان ان کے امیدوار کو ووٹ نہیں دیتے اس لئے اسے ان کی کوئی پرواہ نہیں اس کے لیڈروں کی کوشش ہوتی ہے کہ مسلم ووٹ تقسیم اور ہندو ووٹ یکجا ہو، ادھر سیکولر پارٹیوں کو معلوم ہے کہ مسلمان کہاں جائے گا ووٹ بہر حال ان کو ہی ملنا ہے، اس لئے وہ بھی ان کے مسائل کو حل نہیں کرتے۔ کانگریس یا دیگر ریاستی حکومتوں نے زبانی جمع خرچ اور مسلمانوں کو ہندو اکثریت کی نظروں میں معتوب ومغضوب بنانے کے سوا کچھ نہیں کیا۔

اب یہ اہم سوال مسلمانوں کے سامنے ہے کہ وہ کیا سیکولر پارٹیوں کے دامن سے وابستہ رہیں جنہیں ان کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں اور وہ ان کو صرف ووٹ بنک کی نظر سے دیکھتے ہیں یا اپنی قیادت کھڑی کر کے اقتدار میں شریک ہو کر اپنے مسائل خود حل کرنے کی پوزیشن میں آجائیں؟ جن علاقوں میں مسلمانوں نے اپنی سیاسی طاقت کو بنائے رکھا وہاں صورتِ حال اچھی ہے۔

کیرالہ میں مسلمانوں کی اپنی سیاسی جماعت "انڈین یونین مسلم لیگ" اقتدار میں شریک رہتی ہے وہاں مسلمانوں کی سماجی اور اقتصادی صورتِ حال خاصی بہتر ہے۔

تلنگانہ میں اگرچہ مجلس اتحاد المسلمین (ایم آئی ایم) اقتدار میں شریک نہیں رہتی لیکن مجلس کی وجہ سے وہاں کی حکومت مسلمانوں کے مسائل سے چشم پوشی کرنے کی جرأت نہیں کر پاتی، مسلمان وہاں تعلیم صحت روزگار اور تحفظ کے اعتبار سے کافی مضبوط ہیں، مسلمانوں کو یہ تجربہ دوسری ریاستوں میں بھی کرنا چاہئے جہاں اپنی جماعت کے تحت انتخابات میں کامیابی کے امکان کم ہوں، وہاں مظلوموں اور پسماندہ قبائل کو ساتھ لیکر مظلوموں کا اتحاد قائم کر کے اس کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر ملک بھر کے مسلم اکثریتی حلقوں سے مسلم قیادت والی جماعت کے ایسے امیدوار کو ہی کامیاب کر کے ایوان تک پہنچایا جائے جو مسلمانوں

کمزوروں مظلوموں، اقلیتوں، دلتوں اور پسماندہ طبقات کی بھرپور نمائندگی کریں۔

ہار جیت کی پرواہ کئے بغیر مسلم عوام ولیڈران طویل مدتی منصوبے سے اس طرز پر اپنی قیادت کھڑی کر کے اس کو مضبوط نہیں بنائیں گے تو شاید منظر نامہ تبدیل نہیں ہوگا اور یہ سوال منہ پھاڑے کھڑا رہے گا' کب تک سیاسی بے وزنی کا شکار رہیں گے مسلمان؟؟؟

□□□□□□

باقی رمضان المبارک۔۔۔ معلوم ہو جائے کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری امت یہ تمنا کرے گی کہ سارا سال رمضان ہی ہو جائے۔ (فضائل الاوقات للبیہقی: ۴۱) اس لئے رسمی اور رواجی مزاج کو ختم کرتے ہوئے ایک نئے انداز میں اور مکمل شوق و احترام کے ساتھ رمضان المبارک کا استقبال کرنے کی ضرورت ہے کہ جو رمضان کے ختم ہونے تک کمزور نہ ہونے پائے، اس کے لئے مکمل لائحہ عمل بنانے کی ضرورت ہے۔□□□□□□

خواتین کو مسجد میں جانے کی اجازت

۔۔۔اب سوال یہ ہے کہ عورتوں کے مسجد جا کر نماز پڑھنے یا ایسے جماعت خانوں میں نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس بات پر تو سبھوں کا اتفاق ہے کہ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام میں عورت کو مجسم ناپاکی نہیں سمجھا گیا ہے، اور اس کے لئے مسجد میں جانا ممنوع نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی عورت مسجد میں داخل ہو تو وہ گنہ گار ہو جائے، یا مسجد کی انتظامیہ اسے فوراً نکال باہر کرے؛ اس لئے اگر کوئی عورت اتفاقاً مسجد میں داخل ہو اور انفرادی طور پر نماز ادا کر لے تو نماز ادا ہو جائے گی، کسی صاحب علم نے یہ نہیں کہا کہ اس صورت میں اس کی نماز نہیں ہوگی، اور نہ کسی عالم کا یہ فتویٰ ہے کہ مسجد کے منتظمین اس مسلمان خاتون کو نکال باہر کریں؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ پردہ کے سلسلہ میں جو شرعی احکام مقرر ہیں، وہ ان کا لحاظ رکھے۔

عام انتخابات کا بڑا سوال: کہاں جائیں مسلمان؟

حکیم نازش احتشام اعظمی

اس وقت ملک کے طول و عرض میں عام انتخابات کی گھن گرج ہے۔ یہ ایک جمہوری تہوار ہے، جس میں ہر ہندوستانی اپنی تعداد اور قوتِ اجتماعیت کی بنیاد پر نمائندے منتخب کرتا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں پورے ملک پر نظر دوڑائیں تو ایک سوال ہمارا منہ چڑھاتا محسوس ہوگا کہ اس جمہوری تہوار میں ملک کے پچیس کروڑ مسلمان کہاں کھڑے ہیں، اور وہ کہیں بھی نظر کیوں نہیں آرہے۔ آزادی کے بعد اب تک ملک میں آباد اکثریت کی لگ بھگ سبھی برادریاں اپنا محاذ بنانے اور اجتماعیت کی بنیاد پر اپنا لوہا منوانے میں کامیاب ہو چکی ہیں۔ مگر ہم مسلم اقلیتیں آج بھی لکیر کی فقیر ہی ہیں۔ جو شخص بھی اپنی قوم کے رہنماؤں کی تاریخ اور کارناموں کا غیر جانبدارانہ جائزہ لے گا وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ ہم ہی میں آج بھی ٹیپو سلطان موجود ہیں، حمیت قومی سے سرشار نواب سراج الدولہ جیسی صفات کے حامل افراد ملت میں آج بھی موجود ہیں، تو ملا باقر کی طرح آبروئے وطن کی حفاظت کیلئے جان کا نذرانہ پیش کرنے والے غیور بھی اس مسلم اقلیت سماج میں موجود ہیں، مگر ابن الوقتوں نے انہیں پیچھے دھکیل رکھا ہے، محب وطن ابوالکلام آزاد جیسے مخلص محب وطن افراد بھی موجود ہیں، مولانا محمد جوہر جیسے جیالے ڈھونڈنے سے اسی سماج میں آج بھی آپ کو مل جائیں گے۔ آج بھی آپ کو ہندوستانی تہذیب و تمدن کا گرویدہ سراپا انسانیت دوست مسیح الملک حکیم اجمل خان جیسے اوصاف کے حامل مل جائیں گے۔ مگر اسی کے ساتھ یہ المیہ بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ ان سرفروشوں اور ملت کا سچا درد رکھنے والے نمائندوں اور رہنماؤں کی تعداد کل بھی کم تھی اور آج بھی آٹے میں نمک برابر ہی ہے۔

اس کے برعکس میر جعفر اور میر صادق یا اکبر کے درباری ملا فیضی جیسے ضمیر فروشوں، مفاد پرستوں، خود غرضوں اور ملت کی بھیڑ کو جمع کر کے سرکار سے دلالی کھانے والے لٹیروں کی ہمارے

مسلم سماج میں اس قدر بہتات ہوگئی ہے کہ یہ تمیز کرنا مشکل ہوگیا ہے کہ صحیح معنی میں اپنا کون ہے اور اپنا بن کر پشت میں خنجر گھونپنے والا منافق کون ہے۔ آج مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ملت اسلامیہ ہند سچی اور مخلص قیادتوں سے محروم ہوگئی ہے، البتہ مسئلہ یہ ہے کہ حقیقی معنی میں اپنا سچا اور مخلص قائد کون ہے اس کی تمیز کرنا مشکل تر بن چکا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ یہ مسئلہ مزید پیچیدہ اور سنگین ہوتا جارہا ہے۔ آپ ملک کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک دیکھ لیجئے۔ شاید ہی کوئی ایسا مسلم سیاسی نمائندہ مل سکے جو اپنے ذاتی مفاد پر ملی مفادات کو ترجیح دیتا ہو اور پوری ایمانداری کے ساتھ زبوں حال اور سسکتی ملت کے درد سے کراہتا اور بلبلاتا ہو۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ملت اسلامیہ قیادتی بے ایمانی کی شکار حال پر نہیں ہوئی ہے، بلکہ تاریخ کے صفحات الٹئے تو معلوم ہوگا کہ مسلم ہمدردی کا خول چڑھائے ہوئے بھیڑیے جس طرح سے آج مسلمانوں کو بیچ رہے ہیں، ٹھیک اسی طرح 19ویں صدی کے ابتدا سے آزادی وطن 1947 میں بھی میر جعفر کی تعداد برسات میں اگ آنے والے خودرو گھاس پھونس سے زیادہ تھی، جبکہ اس وقت بھی ملت کے سچے اور مخلص رہنماؤں کی تعداد آٹے میں نمک برابر ہی تھی۔ مگر غنیمت یہ تھا کہ وہ نمک اتنا خراب نہیں تھا کہ جو کام دہن کا ذائقہ ہی بگاڑ کر رکھ دے۔ جیسے کہ آج کی آٹے میں نمک برابر جو قیادتیں ہمارے پاس ہیں، وہ سارے سماج کو ہی بدمزہ اور مشتبہ کئے ہوئی ہیں۔

اگر تلخی حالات اور سماج کے نام نہاد قائدوں کی کارستانیوں کا جائزہ لینا ہو تو انتہائی غیر جانبداری اور باریکی سے مسلم لیگ کے قیام کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے اور بتایئے کہ ایسے حالات میں جب کان پور میں واقع مسلم مجلس انتہائی مستعدی اور کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کی نمائندگی کررہی تھی، اس کی کامیابی پر ڈاکہ ڈالنے اور کامیاب مسلم سیاسی جماعت کو بے وقعت کردینے کیلئے کس کے اشارے پر مسلم لیگ قائم ہوئی اور اس نے کس درجہ مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور اپنی شر پسند منصوبہ سازی سے کانگریس کو قوت وطاقت فراہم کرتی رہی۔ واضح رہے کہ سن انیس سو چھ میں جب مسلم لیگ وجود میں آئی تھی، اس وقت سے اب تک پارٹی کے قیام کے مقاصد اور محمد علی جناح کے بارے میں بیشتر مورخوں نے متضاد دلائل پیش کیے ہیں۔

تاہم چند دہائیوں سے برصغیر کی تاریخ لکھنے والے کئی مورخین نے جناح اور ان کی پارٹی مسلم لیگ کے بارے میں نئے انکشافات کیے اور نئے گوشے منظرِ عام پر لائے ہیں جن کی بنیاد پر یہ کہا جارہا ہے کہ مسلم لیگ مذہبی جماعت کے طور پر نہیں ابھری تھی، بلکہ اس کے قیام کا بنیادی مقصد کمزور مسلمانوں کا استحصال اور وڈیروں کے مفادات کا تحفظ کرنا تھا۔

حقیقت حال تک پہنچنے کیلئے ایک نظر کانگریس پر بھی ڈال لی جائے۔ 1885 میں انڈین نیشنل کانگریس اپنے قیام کے بعد سبھی برادریوں کے مسائل اجاگر کرنے کا اپنا مقصد بیان کرتی ہے۔

کیا اس سچائی سے بھی انکار ممکن ہے کہ خالص مسلم مفادات کے تحفظ اور بقائے ملت کی دہائی دینے والی مسلم لیگ کے وجود میں آنے کے باوجود کانگریس اور مسلم لیگ میں کوئی تفریق نہیں رہی، درجنوں شواہد موجود ہیں کہ دونوں جماعتیں بعض مرتبہ جلسے جلوس بھی ایک ہی شہر اور ایک ہی پلیٹ فارم پر کرتی رہی تھیں۔ دراصل اس وقت علاقائی سطح کی مسلم تنظیمیں جو انتہائی دیانتداری کے ساتھ ملی مفادات کے فرائض انجام دے رہی تھیں اور انگریزی کونسل میں انہیں نمائندگی بھی حاصل تھی، انہیں چھوٹی چھوٹی مگر فعال اور مخلص تنظیموں کو نیست نابود کرنے کے مقصد سے بڑی مچھلی کے طور پر کانگریس نے ہی مسلم لیگ کو کھڑا کیا، جو آگے چل کر تمام علاقائی مسلم سیاسی وسماجی تنظیموں کو کھا گئی اور اس طرح کانگریس پارٹی کو پورے ملک پر چھا جانے کا آسانی سے موقع مل گیا۔ ہماری اسی مفاد پرست قیادتوں کا نتیجہ ہے کہ آزادی کے 70 سال گزر چکے ہیں، لیکن مسلمان ابھی تک اپنے تشخص اور حقوق کی لڑائی لڑ رہا ہے۔ جس طرح اس کمزور ونحیف قوم کو انگریزی دور اقتدار میں اپنے وجود کیلئے ساری توانائی صرف کرنی پڑی تھی اس کے باوجود انہیں کامیابی نہیں مل سکی۔ اور آج بھی صورت حال یہی ہے اپنے وجود کو منوانے کیلئے مسلمانوں کو تلخ حالات اور دشواریوں سے گزرنا پڑ رہا ہے مگر کامیابی کے امکانات دور دور تک نظر نہیں آرہے ہیں۔ حالاں کہ چند لیڈران نے اس جانب توجہ دینے کی کوشش بھی کی تاکہ قومی سیاست میں اپنا وقار قائم کیا جائے اور اپنے حقوق ومسائل کا تصفیہ خود کریں، لیکن سیاسی جماعتیں مسلم ووٹ بینک کے خوف سے کہیں نہ کہیں ان کی راہ میں آڑے آئیں جس کی بہت

سی واضح دلیلیں موجود ہیں۔ ہمارے ان مخلص نمائندوں اور قیادتوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح مسلمانوں میں پھیلی ہوئی خودغرض قیادتوں نے اوپر آنے نہیں دیا وہ نام نہاد سیکولر جماعتوں اور فسطائی طاقتوں کے اشارے پر مسلمانوں اپنوں سے دور اور مشکوک کرتی رہیں۔ سچر کمیٹی اورسری کرشنا رپورٹ کے منظر عام پر آنے کے باوجود مسلم لیڈر شب نے ہوش کے ناخن نہیں لیے، بلکہ شخصی مفاد کے زیر سایہ پوری قوم کو داؤ پر لگانے سے تامل نہیں برتا گیا۔ اب جبکہ عام انتخاب شروع ہو چکے ہیں تو خود ساختہ سیکولر جماعتیں مسلم رائے دہندگان کو خوش کرنے کے لیے جھوٹی روٹی پھینک رہی ہیں، ان کے حقوق، تعلیمی پسماندگی، غربت، سماجی مساوات، ریزرویشن اور انصاف کی دہائی دے رہی ہیں۔ مسلمان ان پرفریب وعدوں میں اس طرح پھنس جاتا ہے کہ حقیقت حال کا اندازہ نہیں لگا پاتا اور سیاسی استحصال کا شکوہ کرکے انہیں ٹھگنے میں لگ گئی ہیں۔ ان حالات میں اب ہمیں اب خود فیصلہ کرنا ہے کہ ہم کس کے ساتھ جائیں جو ہماری مظلومیت کیخلاف ایوان آواز اٹھا سکے۔ □□□□□

روزہ کا مقصود نفس کا انکسار اور دل کی شکستگی تھی۔ پھر اے شریر انسان! تو روٹی اور پانی کا روزہ رکھ کر خون اور گوشت کو کھانا کیوں پسند کرتا ہے: ﴿أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ﴾ "آیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے" من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة في أن يدع طعامه وشرابه "جس شخص نے مکروفریب نہ چھوڑا اور اتقائے صیام پر عمل نہ کیا سو اللہ کو کوئی حاجت نہیں کہ اس کے کھانے اور پینے کو چھڑا دے اور اسے بھوکا رکھے" (رواہ البخاری)۔۔۔ اگر قربانی کا گوشت اللہ تک نہیں پہنچتا تو اے مغرورِ عبادت اور مردم آزار صائم! تیری بھوک اور پیاس بھی اللہ تک نہیں پہنچتی، بلکہ وہ چیز پہنچتی ہے جو تیرے دل اور تیری نیت میں ہے۔ اگر تجھے وہ نعمت حاصل نہیں تو تجھے معلوم ہو کہ تیری ساری ریاضت اکارت اور تیری ساری مشقت بیکار ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمہ

صحافت: کریئر اور مواقع

مومن فہیم احمد

جرنلزم اور میڈیا کی اہمیت سے موجودہ دور میں نہ انکار ممکن ہے اور نہ ہی فرار۔ میڈیا کو جمہوریت کا چوتھا ستون کہا جاتا ہے۔ ٹیلی وژن، اخبارات، میگزین روزانہ کے واقعات اور اہم خبریں ناظرین اور قارئین تک پہنچاتے ہیں۔ اس شعبہ میں محنتی اور ایماندار افراد کی کمی ہمیشہ سے رہی ہے۔ ایسے نوجوان جو خبروں کے تجزیے، قومی و بین الاقوامی سیاسی و معاشی معاملات میں دلچسپی رکھتے ہوں اور مطالعہ کا بھی شوق ہو وہ پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا میں اپنا کریئر بنا سکتے ہیں۔

جرنلزم اور ماس میڈیا کا مفہوم وفرق:

خبروں کی ترسیل کے تمام ذرائع چاہے وہ اخبارات، میگزین، ٹی وی چینلس اور آن لائن ویب پورٹل سے متعلق ہوں وہ تمام جرنلزم کی تعریف میں شامل ہیں یعنی یہ کہا جا سکتا ہے خبروں کی رپورٹنگ کسی بھی ذریعے سے کرنا جرنلزم کہلاتا ہے جبکہ ماس میڈیا یا ماس کمیونکیشن میڈیا کے مختلف ذرائع سے عوام تک پیغام پہنچایا، معلومات یا دلچسپی کے سامان مہیا کرانے پر مشتمل ہے۔ اخبارات، ٹی وی، میگزین یا ڈیجیٹل ذرائع سے خبریں پہنچانا جرنلزم کا حصہ ہیں۔ شعبوں کے لحاظ سے جرنلزم کو تین درجات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) پرنٹ (اخبارات اور میگزین وغیرہ) (۲) الیکٹرونک (ٹی وی اور ریڈیو وغیرہ) (۳) آن لائن (انٹرنیٹ پر ویب پورٹل یا اپلیکیشن کے ذریعے خبریں پہنچانا وغیرہ)۔ زمانے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ان میں سب سے قدیم پرنٹ میڈیا ہی ہے کیونکہ سب سے پہلے اخبارات ہی لوگوں تک خبر کی ترسیل کا ذریعہ بنے۔ لیکن موجودہ وقت میں آن لائن جرنلزم نے کافی اہمیت اور لوگوں تک بآسانی پہنچنے کی استطاعت حاصل کر لی ہے، دی کوئینٹ، دی وائر، ٹوسرکلس ڈاٹ نیٹ وغیرہ آن لائن جرنلزم کی

اہم مثالیں ہیں۔ جبکہ ماس کمیونکیشن یا ماس میڈیا زیادہ وسیع ذرائع کا احاطہ کرتا ہے جن میں تھیٹر، ٹی وی، ریڈیو، فلم میکنگ، ایڈورٹائزنگ، رابطہ عامہ وغیرہ شامل ہیں۔

کورس کی ساخت:

جرنلزم بنیادی طور پر سیاسیات، معاشیات، کمیونکیشن، جرنلزم کی تاریخ اور تحقیق کے ذرائع وغیرہ کے جزئیات اور استعمال پر مشتمل ہے۔ اس کا مقصد طلبہ کو سماجی حقیقتوں کو اجاگر کرنے، ایک نظریاتی فریم ورک قایم کرنے اور میڈیا کو بطور رابطہ کار ایجنسی کے پیش کرنے کے قابل بنانا ہے جبکہ ماس کمیونکیشن میں بڑے پیمانے پر سماجی اثرات مرتب کرنے والی تحریریں اور سمعی و بصری مواد تیار کرنا اور اس کی اشاعت کرنا شامل ہے۔ جرنلزم میں عام طور پر صرف اعداد و شمار اور حقیقت سے واقف کرانا ہوتا ہے جبکہ ماس کمیونکیشن کے ذرائع ماسیس (عوام) کی ذہن سازی اور معاملات کے نقطہ نظر کو مقامی، علاقائی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر پیش کرنے سے متعلق ہیں۔

کورس کی قسمیں:

موجودہ دور میں جرنلزم اور ماس کمیونکیشن کے کورسیس کئی طرح سے کیے جاسکتے ہیں۔ جن میں سرٹیفکیٹ، ڈپلوما، پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما، ڈگری اور پوسٹ گریجویشن شامل ہیں۔ ان کورسیس میں سرٹیفکیٹ ان جرنلزم، ڈپلوما ان جرنلزم، پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما ان جرنلزم اینڈ ماس میڈیا، بیچلرس ان جرنلزم، بیچلرس ان جرنلزم اینڈ ماس کمیونکیشن، بیچلرس ان ماس کمیونکیشن اینڈ ماس میڈیا، بیچلرس ان کمیونکیشن اسٹڈیز وغیرہ اہم نام ہیں۔

روزگار کے مواقع:

موجودہ دور میں اس شعبے میں روزگار کے مواقع بڑھتے جارہے ہیں ایک جرنلسٹ کے طور پر اخبارات، میگزین، ٹی وی چینلس، نیوز پورٹلس وغیرہ میں اس کے اچھے مواقع ہیں جبکہ ماس میڈیا میں دلچسپی رکھنے والے افراد کے لیے کانٹینٹ رائیٹنگ، ایڈورٹائزنگ، فلم، غیر تجارتی اداروں، رابطہ عامہ، کارپوریٹ کمیونکیشن اور دیگر میڈیا ایجنسیوں میں روزگار کے مواقع

دستیاب ہیں۔

آمدنی ومراعات:

اس شعبے میں ایک جرنلسٹ یا میڈیا پرسن کی آمدنی کتنی ہوگی یہ اس بات پر منحصر ہے کہ وہ کس ادارے میں کیا کام کرتا ہے؟ اور اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ عام طور پر جرنلزم میں آمدنی کم ہوتی ہے اس لیے اگر آپ آمدنی کے لیے کریئر بنانا چاہتے ہیں تو ماس میڈیا آپ کے لیے بہتر ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک نیوز ایجنسی کے مقابلے ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی آپ کو بہتر تنخواہ اور مراعات دے سکتی ہے اگر آپ کے پاس اچھے آئیڈیاز (خیالات) یا تحریریں ہیں۔ لیکن بڑے نیوز چینلس اور اخبارات امیدوار کی صلاحیت کے مطابق اچھی تنخواہیں اور مراعات دیتی ہیں۔

کورس کی مدت، فیس واہلیت:

جرنلزم و ماس میڈیا کے کورسیس عام طور پر ڈپلوما کورس ایک سال جبکہ گریجویشن تین سال پر محیط ہے۔ فیس دس ہزار سے لے کر ڈھائی لاکھ روپئے تک ہوسکتی ہے۔ فیس انسٹی ٹیوٹ کے لحاظ سے کم یا زیادہ ہوتی ہے۔ گریجویشن کے بعد دو سال کا پوسٹ گریجویشن بھی اس شعبے میں کیا جاسکتا ہے۔ بھارت میں کچھ کالجس میں 'بی اے ان جرنلزم اینڈ ماس کمیونکیشن' اور کچھ کالجز میں 'بی ایس سی ان جرنلز اینڈ ماس کمیونکیشن' کے کورسیس جاری ہیں۔ اسی طرح ماسٹرس لیول پر 'ایم اے' اور 'ایم ایس سی ان جرنلزم اینڈ ماس کمیونکیشن یا ماس میڈیا' کے طور پر کیے جاسکتے ہیں۔ بیچلر کورس کے لیے طلبہ کو بارہویں کامیاب کرنا لازمی ہے کچھ ادارے اپنا انٹرنس بھی منعقد کرتے ہیں اور اسی کی بنیاد پر داخلہ دیتے ہیں۔

جرنلسٹ کے لیے درکار خوبیاں:

اس شعبہ میں کریئر بنانے کے لیے امیدوار کو چند خوبیوں اور صلاحیتوں کا مالک ہونا ضروری ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔ (۱) تحقیق پسند یا متجسس فطرت کا حامل ہونا۔ (۲) چوکنا رہنے والا طرز عمل اور حالات میں تبدیلی کو قبول کرنے والا ذہن۔ (۳) زباندانی اور رابطہ کی

مہارتیں۔ (۳) خود اعتماد، پُرجوش اور صبر کے مادے سے لبریز۔ (۴) حقیقتوں کو سمجھنے والا اور اعداوشمار سے تجزیے کرنے کی صلاحیت کا حامل۔ (۴) مختلف سیاسی، سماجی، معاشی، مذہبی، ثقافتی معلومات اور حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہنے والا۔

کرئیر کے مواقع:

جرنلزم اور ماس کمیونکیشن کے گریجویٹس مختلف شعبوں میں روزگار حاصل کر سکتے ہیں جن میں روایتی اخبارات اور میگزین میں لکھنا، اشتہار بازی کے شعبے میں اور تحقیقی اداروں میں روزگار شامل ہیں۔ ماس کمیونکیشن کے گریجویٹس کو درج ذیل ذمہ داریاں دی جاتی ہیں۔ (۱) جرنلسٹ اور نیوز رپورٹر۔ (۲) فیشن فوٹوگرافر (۳) ٹیلی وژن نامہ نگار (۴) ریڈیو جاکی (آر جے) (۵) عوامی رابطہ آفیسر (۶) تحریری مواد تیار کرنے والا (کانٹینٹ رائیٹر) (۷) اخبار، میگزین یا ویب پورٹل کے ایڈیٹر کے طور پر۔

کرئیر کی خوبیاں اور خامیاں:

جرنلزم اور ماس میڈیا میں کرئیر شناخت، شہرت اور اچھی آمدنی کا ذریعہ ہے۔ جن لوگوں کو چیلنج سے بھرپور کام پسند ہے یا جو افراد کام کے ساتھ ساتھ سفر کے دلدادہ ہوں ان کے لیے یہ مناسب کرئیر ہے اور ایک اطمینان بھری جاب ہے۔ لیکن دوسری طرف اس کی چند خامیاں بھی ہیں جن میں غیر معمولی ہیجان، الجھن سے پُر اور وقت بے وقت پر کام، ذاتی زندگی کا متاثر ہونا اور سماجی وسیاسی دباؤ کے تحت تناؤ کا شکار ہونا جیسے منفی عوامل بھی شامل ہیں۔

چند معروف یونیورسٹیز اور کالجیز:

ملک میں تقریباً ہر ریاست میں جرنلزم اور ماس میڈیا کے اچھے کالجیز موجود ہیں لیکن تعلیمی اداروں کی رینکنگ کے لحاظ سے چند معروف اداروں کے نام دیے جا رہے ہیں۔ (۱) جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی (۲) لیڈی شری رام کالج دہلی (۳) سمبائسیس انسٹی ٹیوٹ پونے (۴) انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ماس کمیونکیشن دہلی (۵) ٹائمز اسکول آف جرنلزم دہلی (۶) ایشین کالج آف جرنلزم چینائی (۷) زیویئرس انسٹی ٹیوٹ آف کمیونکیشن ممبئی (۸) فلم اینڈ ٹیلیوژن انسٹی ٹیوٹ

آف انڈیا پونے (۹) صوفیہ کالج فار ویمن ممبئی (۱۰) کرائسٹ یونیورسٹی بنگلور (۱۱) کے سی کالج ممبئی (۱۲) ایمیٹی اسکول آف کمیونکیشن نوائیڈا (۱۳) این آئی ایم ایس یونیورسٹی جے پور (۱۴) رام نارائن روئیا کالج ممبئی (۱۵) مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد (۱۶) شعبہ اردو ممبئی یونیورسٹی کالینا ممبئی (۱۷) لالہ لاجپت رائے کالج ممبئی (۱۸) میسور یونیورسٹی میسور (۲۰) اعجاز رضوی کالج لکھنو (۲۱) جاگرن انسٹی ٹیوٹ دہلی (۲۲) ایم جی ایم کالج آف جرنلزم اورنگ آباد (۲۳) گروارے انسٹی ٹیوٹ کالینا ممبئی (۲۴) ایس آئی ای ایس کالج ممبئی وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی کئی کالیجیز اور یونیورسٹیوں میں جرنلزم اور ماس میڈیا / ماس کمیونکیشن کے کورسیس جاری ہیں جس کی تفصیل انٹرنیٹ سے حاصل کی جاسکتی ہے

□□□□□□

روزہ: ایک عظیم نعمت

سحری و افطار میں صحت بخش غذائیں اور پھلوں کا استعمال کریں، زیادہ مصالحہ اور تیل میں پکی ہوئی غذاؤں سے پرہیز کریں۔ شوگر کے مریض سادہ کھانا کھائیں، جو (Oats) کھانا سنت بھی ہے اور صحت بخش بھی۔ غذائیت کے اعتبار سے یہ کاربوہائیڈریٹ کا بہترین ذریعہ ہے، فائبر زیادہ ہونے کے باعث پیٹ بھرے رہنے کا احساس دیر تک رہتا ہے، وٹامن کا بہترین ذریعہ بھی ہے، گیہوں کی روٹیاں بغیر چھنے آٹے کی کھائیں دیر تک بھوک نہیں لگے گی، دہی اور روٹی کھانے سے پیاس کی شدت کم ہوگی۔ اس کو استعمال کر کے دیکھا جاسکتا ہے، White Wheat Bread انڈے کے ساتھ لیں، شوگر کے مریضوں کے علاوہ رمضان کے روزے موٹاپے کے شکار لوگوں کے لیے نعمت سے کم نہیں، روزہ وزن کم کرنے، موٹاپا کم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اس سے اچھا موقع اور کیا ہوسکتا ہے، عبادت کے ساتھ ساتھ جسمانی بیماریاں دور ہوجاتی ہیں۔

حقوق رازداری

شمس الضحیٰ، نئی دہلی

انسانوں کے خود ساختہ قوانین و دساتیر میں حق رازداری کی کوئی واضح تعریف نہیں ہے۔ اس لیے اکثر الفاظ کی شعبدہ بازی سے کام لیا جاتا ہے۔ عدالتیں بھی مبہم سا فیصلہ دے دیتی ہیں۔ جیسے چیف جسٹس J.S.Khehar نے سپریم کورٹ کے ججوں کے بینچ کی سربراہی کرتے ہوئے 24 اگست 2017 کو کہا کہ حق رازداری بنیادی حق ہے۔ اس کے لیے انھوں نے دستورِ ہند کے دفعہ 21 کا حوالہ تو دیا مگر اس بنیادی حق کی نہ تو وضاحت کی اور نہ ہی یہ بتایا کہ حق رازداری کی تفصیلات کیا ہیں۔

حق رازداری کی ایک تعریف یہ کی گئی ہے کہ ’’حق رازداری اپنے گرد حفاظتی حصار قائم کرنے کا حق ہے جس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو ہمارا حصہ ہیں: جسم، گھر، جائیداد، خیالات، احساسات، راز، شناخت۔ حق رازداری ہمیں انتخاب کا حق دیتا ہے۔ ہم اپنے اختیارات میں سے کن کن چیزوں سے کس حد تک، کس طریقے سے، کتنے وقت کے لیے، کسی حصے کا استعمال کا موقع دیں۔ یہ فرد کے حق رازداری کے تحت آتا ہے کہ وہ اپنے کسی راز کو کس حد تک افشاں کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کا حق کس کو کتنے وقت کے لیے دیتا ہے۔ یہ ایک فرد خاص کا معاملہ ہے۔‘‘

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دستور میں کل چھ دفعات ہیں جس میں اب تک ۲۶ ترمیمات ہوئی ہیں۔ ان میں پہلی، تیسری، چوتھی اور پانچویں ترمیم صرف حق رازداری پر ہی ہوئی۔ ان سب کے باوجود قوت نافذہ کے فقدان میں یہ ترمیمات ابھی محض زینتِ اوراق ہیں۔ دستور ہند کے باب تین اور اس میں بھی دفعہ ۱۴، دفعہ ۱۹ اور دفعہ ۲۱ کے حوالے سے حق رازداری کے حق میں دلائل دیے جاتے ہیں۔ مگر شخصی و انفرادی حقوق اور حق رازداری دو الگ

الگ معاملے ہیں۔ عدالتوں نے یہ بات ضرور کہی ہیں کہ حق رازداری بنیادی شرط ہے۔ حقیقی معنی میں ضمانت یافتہ آزادی سے لطف اندوز ہونے کا۔ فرد کو وقار اور حریت کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے حق رازداری بنیادی ضرورت ہے۔

صاحب اقتدار لوگوں کے حقوق رازداری کو تو تحفظ حاصل ہے جیسے 70 کی دہائی میں امریکہ میں صدر نکس کے خلاف Water Gate Scandal ہوا جس میں اپوزیشن لیڈر کے فون ٹیپنگ کا معاملہ اٹھایا گیا۔ بھارت میں بھی اپوزیشن کے فون ٹیپنگ معاملے پر اسی کی دہائی میں واویلہ مچا، اس کے باوجود حق رازداری پر کوئی واضح قانون سازی نہیں ہو پائی۔ حقوق رازداری انسان کے وقار، خودمختاری اور جمہوری اقدار کی روح ہے۔ حق رازداری ایک فطری حق ہے۔ اس سے کسی کو محروم نہیں کیا جاسکتا۔ اسے واضح طور پر بنیادی حق تسلیم کرنا چاہیے۔ حق رازداری کی واضح تعریف متعین کر کے اس کے تحفظ کے لیے قانون سازی ہونی چاہیے۔ کیونکہ دستور میں دیے گئے بنیادی حقوق سے اور ضمانت حریت سے عملاً مستفیض ہونے کے لیے ضروری ہے کہ شہریوں کو حق رازداری بھی حاصل ہو۔ بغیر حق رازداری کے تمام ضمانتیں بے سود ہیں۔ کسی کے راز پر نگرانی رکھنا حقوق انسانی اور بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ یہ بنیادی حقوق پر قدغن ہے۔ اس سے انسانیت متاثر ہوتی ہے۔ ذہنی ارتقا نہیں ہو پاتا۔ انسان خوف کے سائے میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

Biometric Data اور Deomgraphic Data جو حکومت جمع کر رہی ہے اور آدھار کارڈ بنانے پر لوگوں کو مجبور کیا جا رہا ہے۔ بنیادی سہولیات اور مراعات کو آدھار سے جوڑا جا رہا ہے۔ یہ سب غیر آئینی اور غیر جمہوری ہے۔ کیونکہ یہ حق رازداری کی خلاف ورزی ہے۔ حق رازداری بنیادی حق کی روح ہے۔ اس کی نگرانی حقوق انسانی اور بنیادی حقوق کی روح کے منافی ہے۔ Biomateric Data کا غلط استعمال ہوسکتا ہے۔ یہ Data تمام تر دعوؤں کے باوجود محفوظ نہیں ہے۔ اس تک ہیکروں کی رسائی ممکن ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس کا غلط استعمال ہوسکتا ہے۔ جیسے گزشتہ دنوں Face Book نے اس کا اعتراف کر لیا تھا کہ اس

نے کروڑوں لوگوں کے Data کو فروخت کیا ہے۔

سب سے پہلے حق رازداری کی تعریف متعین کرکے اس کے تحفظ کے لیے قانون سازی ہونی چاہیے۔ اور نگرانی راز کی نہیں بلکہ حقوق رازداری کی خلاف ورزی کرنے والوں کی ہونی چاہیے۔ حقوق رازداری میں (۱) عائلی معاملات کی رازداری (۲) دانشورانہ ملکیت کی رازداری (۳) تجارتی واقتصادی معاملات کی رازدای (۴) تبادلہ خیال کی رازداری (۵) وکیل یا ڈاکٹر سے مشورہ اور تبادلہ خیال کی رازداری (۶) خلوت کی رازی (۷) معروف پروگرام اور پالیسی کی رازداری (۸) اپنی ملکیت کی رازداری۔ واضح رہے کہ دستور ہند کی دفعہ 31 میں حق ملکیت کو بنیادی حقوق میں شامل کیا گیا تھا۔ مگر پارلیمنٹ نے اس کو حذف کردیا۔ اب حق ملکیت قانونی حق ہے۔ بنیادی حق نہیں ہے۔ جائداد کے حق کو اب دستورِ ہند کی دفعہ 300A کے تحت رکھا گیا ہے۔ حق رازداری کے تحفظ کے لیے نہ صرف قانون سازی اور اس کے عملاً مؤثر نفاذ کی ضرورت ہے بلکہ اس کے لیے ذہن سازی اور عوامی بیداری بھی ضروری ہے۔ یہ حق نہ تو لامحدود ہے اور نہ ہی نظرانداز کرنے کے لائق ہے۔

ایک جمہوری ملک میں اپنے نمائندوں اور رہنماؤں کو منتخب کرنے میں راز داری، ذاتی معاملات میں تبادلہ خیال کی آزادی، ضمیر و وسعت خیال کی آزادی بھی ہونی چاہیے۔ اسی طرح خلوت، بے تکلفی اور ذاتی معاملات کی رازداری کا حق بھی ہر شہری کو ملنا چاہیے۔ ایک بات بہت اہم ہے کہ حق رازداری پر نگرانی اور قدغن انسان کی ذہنی ارتقا کو ہی نہیں روک دیتا ہے بلکہ بعض حالات میں ذہنی طور پر مفلوج بھی کردیتا ہے۔ حق رازداری کا پاس رکھنا فرد اور ریاست دونوں کے لیے ضروری ہے۔ ریاست کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ فرد یا افراد کے ذاتی معاملات، عائلی معاملات یا خانگی و دیگر معاملات کی نگرانی کرے جسے وہ فرد پوشیدہ رکھنا چاہتا ہو۔

لیکن اسلام نے آج سے چودہ سو سال بھی پہلے Right to Privacy (حق رازداری) کو واضح کردیا تھا۔ قرآن شریف کی سورہ حجرات آیت نمبر ۱۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''تجسس نہ کرو، یعنی کسی کے حق رازداری پر ڈاکہ نہ ڈالو۔ کسی کے راز نہ ٹٹولو، کسی کی عیب

جوئی نہ کرو، کسی کے ان رازوں کو جاننے یا پتہ لگانے کی کوشش نہ کرو، جس کو وہ افشاں کرنا نہیں چاہتا۔'' ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ نے خطبہ میں تجسس کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: ''مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی کھوج مت کرو، کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے پوشیدہ راز تلاش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے در پے ہوجائے گا۔'' ابوداؤد ہی میں دوسری جگہ حضرت امیر معاویہؓ کے حوالے سے ایک حدیث نقل کے الفاظ یہ ہیں: ''تم اگر دوسروں کے مخفی حالات معلوم کرنے کے در پے ہوگئے تو تم ان کو بگاڑوگے یا کم از کم بگاڑ کے قریب کردوگے۔'' اسی طرح اسلام میں انفرادی اور اجتماعی طور پر ہی حق رازداری کا احترام کرنے کی ہی صرف بات نہیں کہی گئی ہے۔ بلکہ ریاست بھی حق رازداری پر دست درازی نہیں کرسکتی۔

احکام القرآن للجصاص میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ جب کسی شخص کے متعلق تمہیں برا گمان ہوجائے تو اس کی تحقیق مت کرو۔ الجصاص میں ہی ایک دوسری حدیث ہے کہ جس نے کسی کا کوئی مخفی عیب دیکھ لیا اور اس کو پوشیدہ رکھا تو وہ ایسا ہے جیسے اس نے ایک زندہ گاڑی ہوئی بچی کو موت سے بچالیا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کا واقعہ بہت سبق آموز ہے۔ ایک روز رات میں گشت کرتے وقت ایک گھر سے گانے کی آواز سنی یہ دروازہ بند تھا۔ آپ دیوار پر چڑھ گئے۔ دیکھا تو ایک شخص بیٹھا ہوا ہے، وہاں شراب بھی موجود ہے اور ایک عورت بھی بیٹھی ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے پکار کر کہا: اے دشمن خدا کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہ کرے گا؟ اس نے جواب دیا: اے امیر المؤمنین! جلدی نہ کیجیے۔ اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کیے ہیں۔ اللہ نے تجسس سے منع فرمایا اور آپ نے تجسس کیا۔ اللہ نے حکم دیا کہ کسی کے گھر میں دروازے سے جاؤ اور آپ دیوار پر چڑھ گئے۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ دوسروں کے گھروں میں اجازت لے کر جایا کرو اور آپ بغیر اجازت تشریف لے آئے۔ اتنا سن کر حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی مان لی اور اس کے خلاف کارروائی نہیں کی۔ ہاں! اس سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ بھلائی کی راہ اختیار کرے۔۔۔۔۔۔ **باقی ص ۴۸ پر**

کمرہ عدالت سے بہت پہلے دربار رسالت کا فیصلہ

ڈاکٹر محی الدین غازی

ایک بار کا ذکر ہے، میں عورتوں اور بچوں کے قافلے کے ساتھ ایک مسجد کے پاس سے گزرا، عصر کی نماز ہو چکی تھی، اور مسجد میں چند لوگ بچے رہ گئے تھے، ہم گھر سے قریب سو میل دور تھے اور مغرب کا وقت قریب تھا، مسجد دیکھ کر ہم لوگ رک گئے کہ عصر کی نماز ادا کرلیں۔ مسجد کافی بڑی تھی، لیکن اس میں عورتوں کے لئے الگ سے انتظام نہیں تھا۔ ہم نے سوچا کہ عورتیں بھی وضو کرکے وہیں ایک طرف نماز ادا کرلیں۔ عورتیں مسجد میں داخل ہوئی ہی تھیں کہ نہ صرف مسجد کے بلکہ محلے کے لوگ بھی جمع ہوگئے، اور انہوں نے کہا عورتیں مسجد میں نہیں جاسکتی ہیں، میں نے کہا: کم از کم انہیں وضو کرلینے دیں، نماز کہیں راستے میں کچھ بچھا کر ادا کرلیں گے، لیکن وہ لوگ اس کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے، میں نے کہا: اگر ان عورتوں کی نماز قضا ہوئی تو اس کا گناہ کس پر ہوگا؟ اس کا جواب ان میں سے کسی کے پاس نہیں تھا۔ آخرکار محلے کے ایک صاحب نے پیش کش کی کہ عورتیں ان کے گھر جاکر وضو کرکے نماز ادا کرلیں۔ ہمیں بھی نماز ادا کرنے کی فکر تھی، مسجد میں نماز پر اصرار نہیں تھا۔ اس لئے ان کا شکریہ ادا کرکے نماز ادا کرلی گئی۔

دوران سفر ایسا بھی بہت بار ہوا کہ ریلوے اسٹیشن اور بس اسٹیشن کے باہر مسجد ہونے کے باوجود خواتین نے پلیٹ فارم پر نماز ادا کی، صرف اس وجہ سے کہ سامنے والی مسجد میں عورتوں کا انتظام نہیں ہے، وہ صرف مردوں والی مسجد ہے، اور اس میں عورتوں کا داخلہ منع ہے۔ ایسا تو بار بار دیکھا کہ کسی بازار میں مرد صاحب تو مسجد میں نماز ادا کرنے گئے ہیں، اور ان کی خاتون باہر کھڑی انتظار کررہی ہیں۔

یہ صورت حال تشویش ناک ہے، اور ہم سے سنجیدہ غور وفکر کا تقاضا کرتی ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو بتایا کہ ان کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے،

بعض علماء نے باہر کے فتنوں کا لحاظ کرکے فتوی دیا کہ عورت کا نماز کے لئے گھر سے مسجد جانا مکروہ ہے، یہ باتیں اپنی جگہ قابل لحاظ ہیں۔ مگر کیا شریعت نے کسی کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ وہ عورتوں کو مسجد میں داخل ہونے سے روکے؟ یعنی یہ فیصلہ عورت کو کرنا ہے کہ وہ افضل طریقے پر گھر میں نماز پڑھے یا کسی بھی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھے، یا یہ اختیار مسجد کی کمیٹی کو ہے کہ وہ عورت کو مسجد میں داخل ہونے سے روکے؟

اگر عورت کا سرپرست یا اس کا شوہر عورت کو مسجد میں جانے سے نہیں روک رہا ہے، تو پھر دوسرے کسی مرد کو اسے روکنے کا اختیار کہاں سے مل جاتا ہے؟

اور اگر عورت اپنے شوہر یا سرپرست کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرنے جارہی ہے، تو آخر کس دلیل سے اسے روکا جاسکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کو مسجد میں داخل ہونے سے روکنا حکم رسول کی صریح خلاف ورزی ہے، اور کھلا ہوا ظلم ہے۔

یہ تصور بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کہ جس مسجد میں عورتوں کے لئے الگ سے انتظام نہیں ہے، وہ مسجد صرف مردوں کی مسجد ہوتی ہے، اور اس کے کسی گوشے میں بھی عورت کو نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ مردوں کی مسجد کا تصور ہی غلط اور بے بنیاد ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ عورتوں کے الگ انتظام کا تصور بعد کی پیداوار ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں عورتوں کے لئے دروازہ تو الگ تھا مگر مسجد کے اندر ان کے لئے الگ سے کوئی مسجد نہیں تھی۔ مجھے علیحدہ انتظام پر بالکل اعتراض نہیں ہے، جہاں مناسب معلوم ہو وہاں علیحدہ انتظام بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن میں یہ بات زور دے کر کہتا ہوں کہ جس مسجد میں عورتوں کے لئے الگ سے انتظام نہ ہو، وہ صرف مردوں کی مسجد نہیں بلکہ عورتوں اور مردوں دونوں کی مسجد ہوتی ہے۔

اس پر سوچنا چاہئے کہ اصل مسئلہ عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا ہے یا ان کا مسجد میں داخل ہونا ہے؟ جب ہم بار بار یہ کہتے ہیں کہ ہم عورت کی حفاظت کے لئے اسے مسجد میں جانے سے روک رہے ہیں، تو ایک بہت غلط پیغام جاتا ہے، اور وہ یہ کہ مسجد میں آنے والے مرد نمازی

اخلاقی لحاظ سے بہت کمزور ہوتے ہیں، اور ان سے عورتوں کو شدید فتنہ لاحق ہو سکتا ہے۔ بات اس طرح نہیں ہے جس طرح ذہنوں میں بیٹھ گئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ پہلے عشاء اور فجر کی اندھیرے والی نمازوں میں راستے کے خطروں کے پیش نظر عورتوں کو مسجد میں جانے سے گھر والوں کی طرف سے منع کیا جاتا تھا۔ باقی دن کی نمازوں میں مسجد جانے پر کسی کو اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ بعد میں ایک اور بات یہ بھی شامل ہوگئی کہ پہلے عورتیں گھر سے بہت کم نکلا کرتی تھیں، اور اندیشہ یہ ہونے لگا کہ مسجد جانے کے بہانے سے کوئی عورت برے ارادے سے گھر سے نکل جائے۔ گویا کسی بھی وجہ سے گھر سے عورتوں کا نکلنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جہاں تک مسجد کی بات ہے، تو عورتوں کے مسجد میں داخل ہونے میں تو کسی طرح کی کوئی قباحت ہے ہی نہیں، کیوں کہ مسجد کے اندر نہ تو کوئی خطرے کی بات ہے اور نہ ہی کسی فتنے کا اندیشہ ہے، مسجد تو محفوظ اور پاکیزہ مقام ہے۔ اب ایک عورت اگر کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکل ہی گئی ہے، اور نماز کا وقت ہے، مسجد سامنے ہے، تو مسجد میں داخل ہونے سے اسے روکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ذہنوں میں کہیں سے یہ بات بھی بیٹھ گئی ہے کہ عورتوں کے مسجد میں داخل ہونے سے مسجد کا تقدس مجروح ہو جاتا ہے۔ اور یہ بہت خطرناک بات ہے۔ یہ بات آپ کو کہیں لکھی ہوئی نہیں ملے گی، لیکن عملی صورت حال یہی ہے، کوئی اپنی بیوی کے ساتھ مسجد کے امام سے کوئی مسئلہ پوچھنے جائے، امام صاحب مسجد سے باہر نکل کر ان سے مسئلہ سنیں گے، حالانکہ سلیقے کی بات یہ ہے کہ مسجد میں اطمینان سے بیٹھ کر مسئلہ سنا جائے۔ لیکن ذہن یہ قبول کرنے کو تیار ہی نہیں ہے کہ عورت مسجد کے اندر آکر بیٹھ سکتی ہے۔ یہاں تک کہ بھیک مانگنے والے مرد تو مسجد کے اندر آکر بھیک مانگ لیتے ہیں، لیکن عورتیں باہر سڑک پر کھڑے ہو کر بھیک مانگنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ یہ تصور یقینی طور سے دوسری قوموں کی طرف سے مسلمانوں میں آگیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مسجد میں عورتوں کے جانے سے مسجد کے تقدس اور وقار پر ذرا بھی اثر نہیں پڑتا ہے۔ بلکہ ہر مسجد مردوں اور عورتوں دونوں کی ہوتی ہے۔

رسول پاک ﷺ کے زمانے میں عورتیں بلا روک ٹوک ہر نماز میں مسجد آیا کرتی تھیں، ان کے لئے الگ سے انتظام نہیں تھا، مردوں کے پیچھے آخری صفیں عورتوں کی ہوا کرتی تھیں، ایک خاتون نے تو مسجد کی صفائی اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ بعد میں زمانے کی خرابی کے پیش نظر اس پر زور دیا جانے لگا کہ عورتیں گھر میں رہیں، اور نماز بھی گھر میں ہی ادا کریں۔ لیکن اب حالات بدل گئے ہیں عورتیں گوناگوں اسباب کی بنا پر گھر سے باہر نکلنے لگی ہیں، مسلم بستیوں کے راستے اور بازار برقع پوش عورتوں سے آباد نظر آتے ہیں، ایسی گھر سے باہر نکلنے والی عورتوں کے لئے مسجد میں جانا بہت مناسب بات ہے، وہاں کا پاکیزہ ماحول انہیں باہر کے بہت سے فتنوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ گھر سے باہر والی عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے سے روکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

التجا ہے کہ ہندوستانی مسلمان کمرہ عدالت کے فیصلے کے سامنے سرنگوں ہونے کے بجائے، فوراً دربار رسالت کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کردیں۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا:

دروازے عورتیں کے لئے بھی کھول دیں، اور دوسری طرف ملک کی عدالت کو صاف صاف بتادیں کہ ہمارے یہاں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔ بس یہی عزت اور بھلائی کا راستہ ہے۔

□□□□□

بقیہ حق رازداری۔۔۔ لیکن اس کے مستثنیات بھی ہیں، جیسے جہاں ریاست کے خلاف تخریبی کارروائی کی سازش ہو رہی ہو، منکرات کے اڈے ہوں، عوامی مفادات کے خلاف سازشیں ہو رہی ہوں۔ ایسی سازشیں ہوں جس سے ملک کے اتحاد و سالمیت کو خطرہ ہو تب اس کے قدغن کے لیے کوشش کی جاسکتی ہے۔ کسی کے ساتھ تجارتی شراکت داری سے پہلے اس کے یا اس کے کاروباری معاملات کے متعلق معلومات حاصل کی جاسکتی ہے۔ شادی، بیاہ کے معاملات میں تحقیق بھی اس حق رازداری سے مستثنا ہے۔ المختصر نہ تو حق رازداری لامحدود ہے اور نہ ہی اس پر بے جا قدغن لگائی جاسکتی ہے۔ □□□□